INTERMEDIATE
URDU SELECTIONS

(Reprint)

UNIVERSITY OF CALCUTTA

1948

دهلوي ' علامه شبلي ' شوق قدوائي ' ڈاکٹر اقبال اور دیگر اکابر عصر نے تحسین آمیز کلمات تحریر فرمائے ۔

آپ امپیریل رکارڈ ڈیپارٹمنٹ کے چیف مولوي تھے اور جب سنه ۱۹۲۶ ع میں اسلامیه کالج کلکته قائم هوا تو اردو کے پروفسر مقرر هوئے ۔ ۱۹۳۱ ع میں سرکار نے ' خان بهادر ' کا خطاب عطا کیا ۔ فی الحال سرکار سے وظیفه پاتے هیں ۔

ڈاکٹر سر محمد اقبال

آپ کي ولادت سنه ۱۸۷۶ ع میں بمقام سیالکوٹ هوئي ۔ آپ کے آبا و اجداد پنڈتان کشمیري تھے جنھوں نے اسلام قبول کیا تھا ۔ ایم ' اے پاس کرنے کے بعد تین سال یورپ میں رهے اور سنه ۱۹۰۸ ع میں پي ' اچ ' ڈي کي ڈگري لیکر واپس آئے ۔ سنه ۱۹۳۴ ع تک بیرسٹري کرتے رهے ۔

شعر و سخن سے طالب العلمي کے زمانے میں شوق هوا ۔ داغ دهلوي سے تلمذ حاصل کیا ۔ پهلے تغزل کي طرف طبیعت مائل هوئي پھر " نیچرل " شاعري میں ایک نئي روح پھونکي ۔ اسلام اور فلسفۂ زندگي اور تصوف پر متعدد نظمیں لکھیں جو نهایت مقبول هوئیں ۔ سنه ۱۹۲۲ ع میں آپ کو " سر " کا خطاب ملا ۔

آپ کي بعض نظموں کا ترجمه انگریزي اور اردو زبانوں میں هوا اور آپ کي شهرت نے ایک بین الاقوامي حیثیت حاصل کي ۔

آپکي وفات ۲۱ اپریل سنه ۱۹۳۸ ع کو ۶۳ برس کي عمر میں هوئي ۔ آپ اردو اور فارسي دونوں زبانوں کے قادر الکلام شاعر تھے ۔

آپ کي تصنیف یه هیں ۔ بانگ درا ۔ بال جبریل ۔ ضرب کلیم ۔ اسرار خودي ۔ رموز بیخودي ۔ پیام مشرق ۔ زبور عجم ۔ جاوید نامه و مسافر ۔

نواب سید نصیر حسین خیال مرحوم جو اردو کے مشہور ادیب تھے آپ کے بھانجے تھے -

حضرت شاد نے سنہ ۱۹۲۷ ع میں انتقال کیا -

حسرت موهاني

مولانا سید فضل الحسن حسرت دور حاضرہ کے مشہور شاعر ھیں - آپ کا وطن موهان ھے جو اودھہ کا ایک قصبہ ھے - علیگڈھہ میں آپ کي تعلیم ھوئي جہاں سے بي - اے کي ڈگري حاصل کي - علیگڈھہ سے رسالہ اردوے معلیٰ شائع کیا جسکے ذریعے اردو کي بے انتہا خدمت کي اور کر رھے ھیں - یہ رسالہ اب عرصے سے کانپور سے شائع ھوتا ھے جہاں مولانا مقیم ھیں - آپ مدتوں کانگریس کے معزز رکن رھے اور سرکار انگلشیہ سے مخالفت کرنے کے الزام پر قید کي بھي سزا اُٹھائي - آپ فقیرانہ انداز سے زندگي بسر کرتے رھیں - حج بیت اللہ سے بھي مشرف ھوئے ھیں - غزل کي طرف آپکي طبیعت خاص طور پر مائل ھے اور اس فن میں آپ کا پایہ بہت بلند ھے - آپ کے کلام میں تغزل کي تمام خوبیاں موجود ھیں - آپ نے متعدد شعرا کے دواوین کا انتخاب ' اردوے معلیٰ ' میں شائع کیا خصوصاً ایسے شعرا کا جنکا کلام عام طور پر دستیاب نہیں ھے -

---

وحشت

آپ کا نام رضا علي ھے - آپ سنہ ۱۸۸۱ ع میں بمقام کلکتہ پیدا ھوئے - مدرسۂ عالیۂ کلکتہ کے بھرۂ انگریزي میں تعلیم پائي - فن شعر سے طالب العلمي ھي کے زمانے سے ربط تھا , مولوي ابو القاسم محمد شمس ولد نساخ مرحوم سے تلمذ حاصل کیا - اردو اور فارسي دونوں زبانوں میں شعر کہتے ھیں - سنہ ۱۹۱۱ ع میں آپ کا دیوان شائع ھوا جسکي نسبت مولانا حالي ' ظہیر

اُسکو فلک نے لوٹکے برباد کردیا

ہم رہنے والے ہیں اُس اُجڑے دیار کے

دهلي كي بربادي کے بعد لکھنؤ پہنچے اور نواب آصف الدولہ نے آپکے لیئے ایک معقول وظیفہ مقرر کردیا ۔

آپ اردو کے استاد مسلم الثبوت ہیں ۔ غزل میں آپ کا جواب نہیں ۔ عجب سوز و گداز ھے عجب لطف زبان ھے ۔ " میر کے بہتر نشتر " مشہور ہیں اگرچہ آپکے دلپسند اشعار کي تعداد کثیر ھے ۔ چھہ دیوان اور متعدد مثنویاں آپکي یادگار ہیں ۔ آپکے ہمعصر شعراء میں سودا اور درد بڑے صاحب کمال گزرے ہیں ۔ آپکي وفات سنہ ۱۲۲۵ ھ (سنہ ۱۸۱۰ ع) میں ہوئي ۔

شاد عظیم آبادي

شاد تخلص سید علي محمد نام ۔ آپکي ولادت سنہ ۱۸۴۶ عیسوي میں بمقام عظیم آباد ہوئي ۔ والد کا نام سید محمد عباس میرزا تھا جنکا شمار عظیم آباد کے عالي خاندان روٴسا میں تھا ۔

عین شباب سے فن شعر کي طرف مائل رھے اور پوري زندگي اسکي خدمت میں وقف کردي ۔ مشاہیر شعراء میں آپ کا پایہ ہمیشہ ممتاز سمجھا گیا ۔ تلامذۀ کثیر آپ کے خرمن فیض کے خوشہ چیں ہوکر سرافراز ہوئے ۔ غزل کي طرف آپکي توجہہ خاص طور پر رہي ۔ ساتھہ ہي اِسکے فن مرثیہ گوئي کمال پیدا کیا ۔ ایک مجموعہ آپکي غزلیات کا موسوم بہ " کلام شاد " دار المصنفین اعظم گڑھہ کے زیر اہتمام شائع ہوا تھا ۔ آپکي تصانیف میں ایک ناول صورۃ الخیال بھي مشہور ھے ۔

سنہ ۱۸۹۱ ع میں آپ کو سرکار نے خطاب " خان بہادر " عطا کیا اور ایک ہزار روپیہ سالانہ انہیں برابر ملتا رہا ۔

سکریٹری هیں - نہایت عمدہ ظرافت آمیز مضامین لکھتے هیں - زبان ٹهیٹهه دلي کي ٹکسالي هے واقعات کو اسطرح بیان کرتے هیں که پڑھنے والے کو چشم دید مشاهدات کا لطف آجاتا هے - مضامین کا ایک آدهه مجموعه اور دهلي کا ایک '' یاد گار مشاعرہ '' کتاب کي صورت میں شائع هو چکا هے -

---

میـــر انیـــس

میر ببر علي نام میر مستحسن خلیق خلف میر حسن دهلوي کے بیٹے تھے - فیض آباد میں پیـــدا هوئے لکھنؤ میں تربیت پائي - مرثیه گوئي میں جو آپ کا آبائي فن تھا کمال حاصل کیا - آپکے همعصر میرزا دبیر تھے - دونوں میں چشمک رهتي تھي اور دونوں با کمال استادوں کے بے شمار طرفدار تھے - میر انیس کي واقعه نگاري ایک معجزہ هے اور اس پر زبان کا مزہ کلام کے لطف کو دوبالا کردیتا هے - آپ مرثیه پڑھتے بھي بہت خوب تھے - سنه ۱۲۹۱ ھ میں انتقال فرمایا -

---

میـر

میر محمد تقي متخلص به میر سنه ۱۱۳۶ ھ میں اکبرآباد میں پیدا هوئے - دهلي میں سکونت اختیار کي اور اسي کو اپنا وطن بنایا چنانچه ایک قطعه میں فرماتے هیں -

کیا بود وباش پوچھو هو پورب کے ساکنو
همکو غریب جانکے هنس هنس پکار کے
دهلي که ایک شهر تھا عالم میں انتخاب
رهتے تھے منتخب هي جهاں روزگار کے

خان بہادر سر شیخ عبدالقادر صاحب

سنه ۱۸۷۶ ع میں لدھیانه (پنجاب) میں پیدا ہوئے - انکے والد محکمۂ مال میں ملازم تھے - ابھي پندرہ سال هي کا سن تھا که سایۂ پدري سرپر سے اوٹھه گیا - سکول اور کالج کي تعلیم نہایت ناموري اور اعزاز سے مکمل کي طالب علمي کے زمانه میں ایک سلسله لکچر انگریزي زبان میں شروع کیا تھا جسمیں اردو کے اور نثاروں پر تقریریں هوتي تھیں اور جو سنه ۱۸۹۸ ع میں کتاب کي صورت میں شائع ہوا - سنه ۱۸۹۴ ع میں بي اے پاس کرکے اخبار پنجاب آبزرور کے سٹاف میں داخل ہو گئے اور سنه ۱۸۹۸ ع میں چیف ایڈیٹر ہو گئے - سنه ۱۹۰۱ ع میں اردو کا مشہور رساله مخزن جاري کیا جسنے ادب اردو کي نہایت درجه خدمت کي - یه رساله سنه ۱۹۲۰ ع تک جاري رہا -

سنه ۱۹۰۴ ع میں اخبار آبزرور سے ترک تعلق کرکے انگلستان گئے اور بیرسٹري کي ڈگري حاصل کرنے کے بعد یورپ اور ممالک اسلامي کا سفر کیا - هندوستان آکر وکالت شروع کي - سنه ۱۹۱۱ ع میں سرکاري وکیل ہوگئے سنه ۱۹۲۰ ع میں پھر بیرسٹري شروع کردي - سنه ۱۹۲۱ ع میں هائي کورٹ لاہور کے عارضي جج ہوئے - سنه ۱۹۲۳ ع میں پنجاب لیجسلیٹو کونسل کے ممبر منتخب ہوکر پہلے ڈپٹي پریزیڈنٹ اور پھر پریزیڈنٹ ہوئے - سنه ۱۹۲۵ ع میں وزیر تعلیم پنجاب ہوئے - سنه ۱۹۲۶ ع میں لیگ اقوام میں هندوستان کے نمائندہ ہو کر شریک ہوئے اور آجکل وزیر هند کي کونسل کے ممبر هیں - شیخ صاحب کو زبان اردو سے عشق ہے - آپکے مضامین اسقدر مقبول ہوئے که کتاب کي صورت میں شائع ہوکر کورس میں داخل ہوئے -

---

میرزا فرحت الله بیگ بي - اے

دهلي کے رهنے والے هیں - آج کل حیدر آباد دکن میں اسٹنٹ

درگیش نندني کا اردو ترجمه کرکے شائع کیا - اب پبلک انکي تحریرات کي مشتاق اور گرویده هو گئي -

سنه ۱۸۸۷ ع میں اپنا رساله دلگداز جاري کیا - اسکے مضامین ایسے دلکش اور پسندیده هوتے تھے که هندوستان کے هر سررشته تعلیم نے شرر کے مضامین کو اردو نصاب میں داخل کر لیا -

سنه ۱۸۸۸ ع میں دلگداز میں تاریخي ناول شروع کئے جو اسقدر مقبول هوئے که اسوقت تک تیسیوں ایڈیشن نکل چکے هیں -

سنه ۱۸۹۰ ع میں مهذب نام ایک اخبار جاري کیا جس میں علمائے اسلام کے سوانح عمري هوا کرتے تھے -

سنه ۱۸۹۱ ع میں " دلگداز" اور " مهذب" دونو کو بند کرکے حیدر آباد چلے گئے -

سنه ۱۸۹۵ ع میں نواب وقار الامرا بهادر کے چھوٹے بیٹے کے اتالیق هو کر انگلستان گئے اور چوده پندره مهینے رهے وهاں فرانسیسي زبان سیکھي - سنه ۱۹۰۰ ع میں حیدر آباد سے لکھنو چلے آئے - مگر سنه ۱۹۰۱ ع میں پھر بلائے گئے اور سنه ۱۹۰۲ ع تک رهے - لکھنو آکر " دلگداز" پھر جاري کیا جو انکي زندگي میں کئي مرتبه بند هوا اور پھر جاري هوا -

سنه ۱۹۱۸ ع میں پھر حیدر آباد بلائے گئے اور تاریخ اسلام لکھنے پر مامور کئے گئے - جسکے لئے ایک معقول رقم ماهوار انکو لکھنو گھر بیٹھے ملتي رهي - دو تاریخیں بھي لکھي هیں ایک تاریخ سندھه اور دوسري تاریخ ارض مقدس - انکی چھوٹي بڑي تصنیفات کثرت سے هیں جنکي تعداد ایک سو دو کے قریب هے رسالے بھي بهت سے جاري کئے جو ایک مدت تک چلتے رهے - سنه ۱۹۲۱ ع میں انتقال کیا -

شرر نے سب سے پہلے اردو میں تاریخي ناول لکھے - قصے کے پلاٹ اور کیریکٹروں کي ترقي پر توجه کي - ناول کو غیر مهذب الفاظ و مضامین سے پاک کیا - یه ناول نویس هي نه تھے - بلکه مورخ ڈرامه نویس ادیب اور جدیده نگار بھي تھے -

مغربي شعرا اور مبصرين كي رائيں نهايت تفصيل سے بيان كي گئي هيں اور نهايت مفيد مشورے دئيے هيں - حيات جاويد ميں سر سيد مرحوم كي طويل اور كثير الاشغال زندگي كے حالات نهايت وضاحت كے ساتهه لكهے گئے هيں اور انكي لائف بحيثيت ايک ليڈر - مدبر - ريفارمر اور اهل قلم كے بحث كيگئي هے اس كتاب كا اردو زبان ميں وهي درجه هے جو ڈاكٹر جانسن كي لائف مصنفه باسويل كا انگريزي ميں هے -

مولانا اخلاق مجسم تهے - كبهي كسي كي برائي انكي زبان سے نهيں سني گئي - بقول احسن مارهروي يوناني خيالات كي رو سے مولانا ايک معتدل اور متوسط كامل انسان اور صوفيه خيالات كي روے سے ايک صاحب باطن ولي تهے- خدا توفيق دے كه آئنده نسليں بهي انكي پيروي كريں -

مولوي عبد الحليم صاحب شرر

سنه ١٨٦١ ع ميں لكهنو ميں پيدا هوئے - انكے نانا دربار اودهه ميں ايک معزز عهده دار تهے - شاهي خاندان كے ساتهه يه بهي انگلستان گئے اور وهاں سے واپس آكر مٹيابرج كلكته ميں قيام پذير هوئے - يهاں عربي فارسي اور كچهه انگريزي پڑهي - انيس سال كي عمر ميں كلكته سے لكهنو آگئے اور وهيں سكونت اختيار كي - يهاں عربي كي كتب درسيه ختم كيں - پهر دهلي جاكر حديث كي تكميل كي - اسي عرصه ميں انگريزي كي بهي معقول قابليت پيدا كرلي - سنه ١٨٨٠ ع ميں اودهه اخبار كے ايڈيٹوريل سٹاف ميں آگئے - اعلى خيال آفريني - فلسفيانه رنگ اور لٹريري مذاق كے سبب سے انكے مضامين كي بهت شهرت هو گئي - سر سيد مرحوم نے بهي انكے مضمون كو جو " روح " كے عنوان سے تها بهت پسند كيا - اسي زمانه ميں ايک هفته وار رساله موسومه " محشر " نكالا جو بهت مقبول هوا - سنه ١٨٨٢ ع ميں اودهه اخبار سے ترک تعلق كر ليا اور اپنا سب سے پهلا ناول " دلچسپ " شائع كيا - سال بهر كے بعد اس ناول كا دوسرا حصه شائع كيا - اسكے دو سال بعد بنكم چٹرجي كے ناول

حالي " موسومه " به مد و جزر اسلام " هے - حیات سعدي بهي اس زمانه میں شائع کیگئي تهي -

سنه ۱۸۸۹ ع میں سر آسمان جاه مدارالمهام حضور نظام دکن کي کوشش سے پچہتر روپیه ماهوار وظیفه حیدر آباد سے مقرر هوگیا جو بعد میں سو روپیه کردیا گیا اور ملازمت سے مستعفي هوکر پاني پت آ گئے - اسکي ایک بڑي وجه یه هوئي که دهلي کي صحبت درهم برهم هو گئي اور اهل کمال یکے بعد دیگرے راهي ملک بقا هو چکے تهے چنانچه اسکا اظہار اس شعر میں کیا هے -

کوچ سب کر گئے دلي سے ترے قدر شناس

قدر یاں ره کے اب اپني نه گنوانا هرگز

اسوقت کے عہد کا زمانه مولانا کي خاص خدمت علم اور تصنیف و تالیف کا هے - شعر و شاعري بر مقدمه - یادگار غالب اور حیات جاوید اس زمانه کي یادگار هیں - بڑے علمي انہماک کي زندگي بسر کر کے سنه ۱۹۱۴ ع کچهه علالت کے بعد ۳۱ دسمبر سنه ۱۹۱۴ ع کو راهيِ ملک بقا هوئے - مولانا کے علمي کارنامے بڑے زبردست هیں - فن تنقید سوانح نگاري پر سب سے پہلے علم آپ هي نے اوٹهایا حیات سعدي - یادگار غالب اور مقدمه شعر و شاعري اس فن کي کتابیں هیں - سوانح نگاري بهي کي - عمده نظیر " حیات جاوید " یعني سر سید مرحوم کي لائف هے - نظم میں " مکمل دیوان" اور مسدس حالي کے علاوه بہت سي مثنویاں اور قطعات وغیره هیں -

مولانا کا پایه شاعري اور نثر نگاري دونو میں بہت بلند هے - اردو شاعري میں ایک نئي روح پهونک کر اردو شاعري میں فطري اخلاق اور قومي شاعري کے نئي عنصروں کا اضافه کیا " مسدس حالي " اپني نظیر نہیں رکهتا بلکه نواب امداد امام صاحب ' اثر ' نے تو یه لکهدیا هے که ایسا اخلاقي مسدس لکهنا محض حالي هي کا کام تها - اسکے لئے تاریخي معاملات کي پوري واقفیت اور مبالغه و استعاره وغیره سے طبعي نفور لازمي چیزیں تهیں - مقدمه شعر شاعري فن تنقید پر اپني نظیر آپ هي هے - شعر کي ماهیت کے متعلق مشرقي اور

شیفتہ سے ملاقات ہوئي اور نواب صاحب نے مولانا کو اپنے بچوں کا اتالیق مقرر کر لیا - سات آٹھہ برس تک نواب صاحب کے ہاں رہے - نواب صاحب اور مولانا دونو اپنا کلام میرزا غالب کو دکھاتے تھے نواب صاحب کي صحبت نے مولانا کے مذاق سخن پر بہت بڑا اثر کیا - مبالغہ سے پرہیز کرنا - حقائق و واقعات میں لطف پیدا کرنا - سیدھي سادي باتوں کو محض حسن بیان سے دلفریب بنانا نواب صاحب کے نزدیک کمال شاعري ہے - چھچھورے اور بازاري الفاظ و محاورات اور عامیانہ خیالات سے نواب شیفتہ کو اور میرزا غالب دونو کو نفرت تھي - ان خیالات کا اثر مولانا پر پڑا اور ایک خاص قسم کا مذاق پیدا ہو گیا جو في الحقیقت صحیح مذاق ہے - سنہ ۱۸۶۹ ع میں نواب شیفتہ کے انتقال کے بعد مولانا کو گورنمنٹ بک ڈپو لاہور میں ایک جگہ ملگئي - یہاں انگریزي کتابوں کا ترجمہ ہوتا تھا - مولانا اس ترجمہ کي عبارت درست کرتے تھے - اس کام سے - مولانا کي طبیعت کو انگریزي ادب سے گونہ مناسبت ہو گئي اور مشرقي ادب کي کم مائگي کا احساس پیدا ہو گیا - اس زمانہ میں سر رشتہ تعلیم پنجاب کا ایک اخبار نکلتا تھا جو بعد میں " اتالیق پنجاب " کے نام سے موسوم ہو کر ماہوار رسالہ بنگیا تھا - مولانا کچھہ عرصے تک اسکے نائب اڈیٹر بھي رہے - سنہ ۱۸۷۴ ع میں مولوي محمد حسین آزاد نے کرنیل ہالرائیڈ کے ایما سے ایک جدید طرز کا مشاعرہ شروع کیا - اس میں مصرع طرح کے بجائے مضمون کا عنوان شعرا کو بتایا تھا - اور شعرا اس پر طبع آزمائي کرتے تھے - مولانا کي چار مثنویاں برکھا رت، نشاط امید، تعصب' انصاف اور حب وطن الٰہي مشاعروں کي یادگار ہیں - لیکن لاہور کا آب و ہوا مولانا کے موافق نہ تھي اسلیئے گورنمنٹ عربک سکول دھلي کا تبادلہ کرا لیا اور سنہ ۱۸۷۵ ع تک وہیں رہے - درمیان میں پانچ چھہ مہینے کو پھر لاہور چیفس کالج میں اتالیق مقرر ہو کر گئے - مگر رئیس زادوں میں رہنا پسند نہ کیا اور دھلي میں چلے آئے - یہ زمانہ مولانا کے اطمینان کا ہے کیونکہ درس و تدریس سے مولانا کي طبیعت کو بے حد لگاؤ تھا - اس زمانہ میں متعدد علمي کام کئے جنمیں نسب زیادہ قابل قدر لازوال " مسدس

مختصر حالات مصنفین

منتخبات اردو

شمس العلما حافظ خواجه الطاف حسین حالی

خواجه صاحب ۱۸۳٦ ع پانی پت میں پیدا هوئے - آپکے والد نمک کے محکمه میں سرکاری ملازم تھے - نوسال کی عمر میں والد کا انتقال هو گیا تو پرورش اور تعلیم کا بار بھائی پر پڑا - پہلے خواجه صاحب نے قران شریف حفظ کیا پھر فارسی اور کچھه عربی پڑھی - ابھی سترہ هی سال کی عمر تھی اور تعلیم مکمل نه هونے پائی تھی که شادی کردی گئی - اب عزیز و اقربا مصر هوئے که تعلیم ختم کرکے کھانے کمانے کا دھندا کرنا چاهئے - لیکن مولانا کا شوق علم ابھی تشنه تھا - چھپکر دهلی چلے گئے - بڑی محنت تکلیف اور صعوبتیں جھیل کر عربی کی تکمیل کی - شعر و سخن کا چسکا بچپن هی میں لگ گیا تھا - یہی شوق کشاں کشاں میرزا غالب کی خدمت میں لے گیا اور اسنے وہ اثر دیکھایا که الطاف حسین کو لازوال حالی بنادیا ۔ دهلی میں آئے کچھه زیادہ عرصه نه گذارا تھا که کنبه والوں کو آپکا پته لگ گیا - اور بھائی آکر دلی سے پانی پت لیگئے - یه واقعه سنه ۱۸۵۵ ع کا ھے - پانی پت آکر بھی مطالعه میں منہمک رھے مگر - کچھه روز بعد حالات کی مجبوری سے تلاش ملازمت کیلئے نکلے اور حصار پہونچے یہاں ضلع کے دفتر میں ایک اسامی قلیل تنخواہ کی ملگئی - ایک هی سال نوکری کرنے پائے تھے که سنه ۵۷ ع کا غدر پڑ گیا - مولانا کسی نه کسی طرح گھر پہونچے - چونکه اسوقت تلاش ملازمت کیلئے کسی دوسری جگه نہیں جا سکتے تھے اسلئے جب تک پانی پت رھے تحصیل علم مطالعه کتب اور شعر و شاعری میں مشغول رھے - چار سال بعد پھر دهلی پہونچے - یہاں نواب مصطفی خان

صدائے لن ترانی سنکے اے اقبال میں چپ ہوں
تقاضوں کی کہاں طاقت ہے مجھ فرقت کے مارے میں

کبھی اے حقیقت منتظر! نظر الباس مجاز میں
کہ ہزاروں سجدے تڑپ رہے ہیں مری جبین نیاز میں
طرب آشنائے خروش ہو، تو نوا ہے محرم گوش ہو
وہ سرود کیا کہ چھپا ہوا ہو سکوت پردۂ ساز میں
تو بچا بچا کے نہ رکھ اسے، ترا آئنہ ہے وہ آئنہ
کہ شکستہ ہو تو عزیز تر ہے نگاہ آئنہ ساز میں
دم طرف گرمک شمع نے یہ کہا کہ " وہ اثر کہن
نہ تری حکایت سوز میں، نہ مری حدیث گداز میں
نہ کہیں جہاں میں اماں ملی، جو اماں ملی تو کہاں ملی
مرے جرم خانہ خراب کو ترے عفو بندہ نواز میں
نہ وہ عشق میں رہیں گرمیاں نہ وہ حسن میں رہیں شوخیاں
نہ وہ غزنوی میں تڑپ رہی نہ وہ خم ہے زلف ایاز میں
جو میں سر بہ سجدہ ہوا کبھی تو زمیں سے آنے لگی صدا
ترا دل تو ہے صنم آشنا تجھے کیا ملے گا نماز میں

جو گھر سے اقبال دور ہوں میں ' تو ہوں محزوں عزیز میرے
مثال گوہر وطن کي فرقت کمال ہے میري آبرو کا !

چمک تیري عیاں بجلي میں ' آتش میں ' شرارے میں
جھلک تیري ہویدا چاند میں ' سورج میں ' تارے میں
بلندي آسمانوں ' زمینوں میں تیري پستي
رواني بحر میں ' افتادگي تیري کنارے میں
شریعت کیوں گریباں گیر ہو ذوق تکلم کي
چھپا جاتا ہوں اپنے دل کا مطلب استعارے میں
جو ہے بیدار انساں میں وہ گہري نیند سوتا ہے
شجر میں ' پھول میں ' حیواں میں ' پتھر ' ستارے میں
مجھے پھونکا ہے سوز قطرۂ اشک محبت نے
غضب کي آگ تھي پاني کے چھوٹے سي شرارے میں
نہیں جنس ثواب آخرت کي آرزو مجھکو
وہ سوداگر ہوں میں نے نفع دیکھا ہے خسارے میں
سکوں ناآشنا رہنا اسے سامان ہستي ہے
تڑپ کس دل کي یارب چھپکے آبیٹھي ہے پارے میں

کوئي دل ایسا نظر نہ آیا ' نہ جس میں خوابیدہ ھو تمنا

الٰھي تیـــرا جھـان کیـا ھے! نگارخانہ ھے آرزو کا!

کھلا یہ مرکر کہ زندگي اپني تھي طلسم ھوس سراپا

جسے سمجھتے تھے جسم خاکي ' غبار تھا کوئے آرزو کا

اگرکوئي شے نھیں ھے پنھاں تو کیوں سراپا تلاش ھوں میں ؟

نگہ کو نظارے کي تمنا ھے ' دل کو سودا ھے جستجو کا

چمن میں گلچیں سے غنچہ کھتا تھا ' اتنا بیدرد کیوں ھے انساں؟

تري نگاھوں میں ھے تبسم شکستہ ھونا مرے سبو کا

ریاض ھستي کے ذرے ذرے سے ھے محبت کا جلوہ پیدا

حقیقت گل کو تو جو سمجھے تو یہ بھي پیماں ھے رنگ و بو کا

تمام مضموں مرے پرانے ' کلام میرا خطا سراپا

ھنرکوئي دیکھتا ھے مجھ میں تو عیب ھے میرے عیب جو کا

سپاس شرط ادب ھے ورنہ کرم ترا ھے ستم سے بڑھکر

ذرا سا اک دل دیا ھے ' وہ بھي فریب خوردہ ھے آرزو کا

کمال وحدت عیاں ھے ایسا کہ نوک نشتر سے تو جو چھیڑے

یقیں ھے مجھکو گرے رگ گل سے قطرہ انسان کے لھو کا

گیا ھے تقلید کا زمانہ ' مجاز رخت سفر اٹھالے!

ھوئي حقیقت ھي جب نمایاں تو کس کو یارا ھے گفتگو کا ؟

آہ! امید محبت کی بر آئی نہ کبھی

چوٹ مضراب کی اس ساز نے کھائی نہ کبھی

مگر آتی ہے نسیم چمن طور کبھی

سمت گردوں سے ہوائے نفس حور کبھی

چھیڑ آہستہ دیتی ہے مرا تار حیات

جس سے ہوتی ہے رہا روح گرفتار حیات

نغمۂ یاس کی دھیمی سی صدا اٹھتی ہے

اشک کے قافلے کو بانگ درا اٹھتی ہے

جس طرح رفعت شبنم ہے مذاق رم سے

میری فطرت کی بلندی ہے نوائے غم سے!

زمانہ دیکھے گا جب مرے دل سے محشر اٹھے گا گفتگو کا

مری خموشی نہیں ہے، گویا مزار ہے حرف آرزو کا

جو موج دریا لگی یہ کہنے سفر سے قائم ہے شان میری

گہر یہ بولا صدف نشینی ہے مجھکو سامان آبرو کا!

نہ ہو طبیعت ہی جن کی قابل وہ تربیت سے نہیں سنورتے

ہوا نہ سر سبز رہ کے پانی میں عکس سرو کنار جو کا

رهتي هے قیس روزکو لیلي شام کي هوس

اختر صبح مضطرب تاب دوام کے لئے

کهتا تها قطب آسماں قافلۂ نجوم سے

هم رهو! میں ترس گیا لطف خرام کے لئے

سوتوں کو ندیوں کا شوق ' بحر کا ندیوں کو عشق

موجۂ بحر کو تپش ماہ تمام کے لئے

حسن ازل که پردۂ لاله و گل میں هے نهاں

کهتے هیں بیقرار هے جلوۂ عام کے لئے

راز حیات پوچھ لے خضر خجسته گام سے

زنده هر ایک چیز هے کوشش ناتمام سے

نوائے غم

زندگاني هے مري مثل رباب خاموش

جس کي هر رنگ کے نغموں سے هے لبریز آغوش

بربط کون و مکاں جس کي خموشي په نثار

جسکے هر تار میں هیں سیکڑوں نغموں کے مزار

محشرستان نوا کا هے امیں جس کا سکوت

اور منت کش هنگامه نهیں جس کا سکوت

چمک تارے سے مانگی ' چاند سے داغ جگر مانگا

اڑالی تیرگی تھوڑی سی شب کی زلف برھم سے

تڑپ بجلی سے پالی ' حور سے پاکیزگی پالی

حرارت لی نفسہائے مسیح ابن مریم سے

ذرا سی پھر ربوبیت سے شان بے نیازی لی

ملک سے عاجزی ' افتادگی تقدیر شبنم سے

پھر ان اجزا کو گھولا چشمۂ حیواں کے پانی میں

مرکب نے محبت نام پایا عرش اعظم سے

مہوس نے یہ پانی ہستی نوخیز پر چھڑکا

گرہ کھولی ھنر نے اس کے گویا کار عالم سے

ھوئی جنبش عیاں' ذروں نے لطف خواب کو چھوڑا

گلے ملنے لگے اٹھ اٹھ کے اپنے اپنے ھمدم سے

خرام ناز پایا آفتابوں نے ' ستاروں سے

چٹک غنچوں نے پائی ' داغ پائے لالہ زاروں سے

کوشش ناتمام

فرقت آفتاب میں کھاتی ھے پیچ و تاب صبح

چشم شفق ھے خوں فشاں اختر شام کے لئے

عروس شب کي زلفيں تهيں ابهي نا آشنا خم سے

ستارے آسماں کے بے خبر تهے لذت رم سے

قمر اپنے لباس نو ميں بيگانہ سا لگتا تها

نہ تها واقف ابهي گردش کے آئين مسلم سے

ابهي امکاں کے ظلمت خانے سے ابهري هي تهي دنيا

مذاق زندگي پوشيدہ تها پهنائے عالم سے

کمال نظم هستي کي ابهي تهي ابتدا گويا

هويدا تهي نگينے کي تمنا چشم خاتم سے

سنا هے عالم بالا ميں کوئي کيمياگر تها

صفا تهي جس کي خاک پا ميں بڑهکر ساغر جم سے

لکها تها عرش کے پائے پہ اک اکسير کا نسخہ

چهپاتے تهے فرشتے جس کو چشم روح آدم سے

نگاهيں تاک ميں رهتي تهيں ليکن کيمياگر کي

وہ اس نسخے کو بڑهکر جانتا تها اسم اعظم سے

بڑها تسبيح خواني کے بهانے عرش کي جانب

تمنائے دلي آخر برآئي سعي پيهم سے

پهرايا فکر اجزا نے اسے ميدان امکاں ميں

چهپے گي کيا کوئي شے بارگاہ حق کے محرم سے

اپنوں سے بیر رکھنا تو نے بتوں سے سیکھا
جنگ و جدل سکھایا واعظ کو بھي خدا نے
تنگ آکے میں نے آخر دیر و حرم کو چھوڑا
واعظ کا وعظ چھوڑا ' چھوڑے ترے فسانے
پتھر کي مورتوں میں سمجھا ھے تو خدا ھے
خاک وطن کا مجھکو ھر ذرہ دیوتا ھے

آ ' غیریت کے پردے اک بار پھر اٹھادیں
بچھڑوں کو پھر ملادیں ' نقش دوئي مٹادیں
سوني پڑي ھوئي ھے مدت سے دل کي بستي
آ ' اک نیا شوالہ اس دیس میں بنادیں
دنیا کے تیرتھوں سے اونچا ھو اپنا تیرتھ
داماں آسماں سے اس کا کلس ملادیں
ھر صبح اٹھکے گائیں منتر وہ میٹھے میٹھے
سارے پجاریوں کو مے پیت کي پلادیں
شکتي بھي شانتي بھي بھگتوں کے گیت میں ھے
دھرتي کے باسیوں کي مکتي پریت میں ھے

طلسم ظلمت شب سورۂ و النور سے توڑا
اندھیرے میں اڑایا تاج زر شمع شبستاں کا

پڑھا خوابیدگان دیر پر افسوں بیداری
برہمن کو دیا پیغام خورشید درخشاں کا

ہوئی بام حرم پر آکے یوں گویا مؤذن سے
نہیں کھٹکا ترے دل میں نمود مہرتاباں کا

پکاری اس طرح دیوار گلشن پر کھڑے ہوکر
چٹک او غنچہ گل ! تو مؤذن ہے گلستاں کا

دیا یہ حکم صحرا میں ' چلو اے قافلے والو !
چمکنے کو ہے جگنو بن کے ہر ذرہ بیاباں کا

سوئے گور غریباں جب گئی زندوں کی بستی سے
تو یوں بولی نظارہ دیکھ کر شہر خموشاں کا

ابھی آرام سے لیٹے رہو میں پھر بھی آؤنگی
سلادوں گی جہاں کو ' خواب سے تم کو جگاؤنگی

نیا شوالہ

سچ کہدوں اے برہمن ! گر تو برا نہ مانے
ترے صنم کدوں کے بت ہوگئے پرانے

میرے بگڑے ہوئے کاموں کو بنایا تونے
بار جو مجھ سے نہ اُٹھا ' وہ اٹھایا تونے
نور خورشید کی محتاج ہے ہستی میری
اور بے منت خورشید چمک ہے تیری
ہو نہ خورشید تو ویراں ہو گلستاں میرا
منزل عیش کی جا ' نام ہو زنداں میرا
آہ! اے رازعیاں کے نہ سمجھنے والے!
حلقۂ دام تمنا میں الجھنے والے
ہائے غفلت! کہ تری آنکھ ہے پابند مجاز
ناز زیبا تھا تجھے ' تو ہے مگر گرم نیاز
تو اگر اپنی حقیقت سے خبردار رہے
نہ سیہ روز ہے پھر نہ سیہ کار رہے

پیام صبح

(ماخوذ از لانگ فیلو)

اجالا جب ہوا رخصت جبین شب کی افشاں کا
نسیم زندگی پیغام لائی صبح خنداں کا
جگایا بلبل رنگیں نوا کو آشیانے میں
کنارے کھیت کے شانہ ہلایا اس نے دہقاں کا

ہے ترے خیمۂ گردوں کی طلائی جھالر
بدلیاں لال سی آتی ہیں افق پر جو نظر
کیا بھلی لگتی ہے آنکھوں کو شفق کی لالی
مئے گلرنگ خم شام میں تونے ڈالی
رتبہ تیرا ہے بڑا، شان بڑی ہے تیری
پردۂ نور میں مستور ہے ہر شے تیری
صبح اک گیت سراپا ہے تری سطوت کا
زیر خورشید نشاں تک بھی نہیں ظلمت کا
میں بھی آباد ہوں اس نور کی بستی میں مگر
جل گیا پھر مری تقدیر کا اختر کیونکر؟

نور سے دور ہوں ظلمت میں گرفتار ہوں میں
کیوں سیہ روز، سیہ بخت، سیہ کار ہوں میں؟

میں یہ کہتا تھا کہ آواز کہیں سے آئی
بام گردوں سے دیا صحن زمیں سے آئی
ہے ترے نور سے وابستہ مری بود و نبود
باغباں ہے تری ہستی پئے گلزار وجود
انجمن حسن کی ہے تو، تری تصویر ہوں میں
عشق کا تو ہے صحیفہ تری تفسیر ہوں میں

گھٹنے بڑھنے کا سماں آنکھوں کو دکھلاتا ہے تو
ہے وطن تیرا کدھر؟ کس دیس کو جاتا ہے تو
ساتھ اے سیارۂ ثابت نما لیچل مجھے
خار حسرت کی خلش رکھتی ہے اب بیکل مجھے
نور کا طالب ہوں گھبراتا ہوں اس بستی میں میں
طفلک سیماب پا ہوں مکتب ہستی میں میں

انسان اور بزم قدرت

صبح خورشید درخشاں کو جو دیکھا میں نے
بزم معمورۂ ہستی سے یہ پوچھا میں نے
پر تو مہر کے دم سے ہے اجالا تیرا
سیم سیال ہے پانی ترے دریاؤں کا
مہر نے نور کا زیور تجھے پہنایا ہے
تیری محفل کو اسی شمع نے چمکایا ہے
گل و گلزار ترے خلد کی تصویریں ہیں
یہ سبھی سورۂ والشمس کی تفسیریں ہیں
سرخ پوشاک ہے پھولوں کی' درختوں کی ہری
تیری محفل میں کوئی سبز کوئی لال پری

بندۂ مومن کا دل بیم و ریا سے پاک ہے
قوت فرماں روا کے سامنے بیباک ہے

ہو اگر ہاتھوں میں تیرے خامۂ معجز رقم
شیشۂ دل ہو اگر تیرا مثال جام جم
پاک رکھ اپني زبان، تلمیذ رحماني ہے تو
ہو نہ جائے دیکھنا تیري صدا بے آبرو

سونے والوں کو جگادے شعر کے اعجاز سے
خرمن باطل جلادے شعلۂ آواز سے

ماہ نو

ٹوٹ کر خورشید کي کشتي ہوئي غرقاب نیل
ایک ٹکڑا تیرتا پھرتا ہے روئے آب نیل
طشت گردوں میں ٹپکتا ہے شفق کا خون ناب
نشتر قدرت نے کیا کھولي ہے فصد آفتاب ؟

چرخ نے بالي چرالي ہے عروسِ شام کي ؟
نیل کے پاني میں یا مچھلي ہے سیم خام کي ؟

قافلہ تیرا رواں بے منت بانگ درا
گوش انساں سن نہیں سکتا تري آواز پا

اس چمن کے نغمہ پیراؤں کي آزادي تو دیکھ
شہر جو اجڑا ہوا تھا اس کي آبادي تو دیکھ
فکر رہتي تھي مجھے جس کي وہ محفل ہے یہي
صبر و استقلال کي کھیتي کا حاصل ہے یہي
سنگ تربت ہے مرا گرویدۂ تقریر دیکھ
چشم باطن سے ذرا اس لوح کي تحریر دیکھ
مدعا تیرا اگر دنیا میں ہے تعلیم دیں
ترک دنیا قوم کو اپني نہ سکھلانا کہیں
وا نہ کرنا فرقہ بندي کیلئے اپني زباں
چھپ کے ہے بیٹھا ہوا ہنگامۂ محشر یہاں
وصل کے اسباب پیدا ہوں تري تحریر سے
دیکھ ! کوئي دل نہ دکھ جائے تري تقریر سے
محفل نو میں پراني داستانوں کو نہ چھیڑ
رنگ پر جو اب نہ آئیں ان فسانوں کو نہ چھیڑ
تو اگر کوئي مدبر ہے تو سن میري صدا
ہے دلیري دست ارباب سیاست کا عصا
غرض مطلب سے جھجک جانا نہیں زیبا تجھے
نیک ہے نیت اگر تیري تو کیا پروا تجھے

گل پژمردہ

کس زباں سے اے گل پژمردہ تجھ کو گل کہوں
کس طرح تجھ کو تمنائے دل بلبل کہوں ؟
تھی کبھی موج صبا گہوارۂ جنباں ترا
نام تھا صحن گلستاں میں گل خنداں ترا
تیرے احساں کا نسیم صبح کو اقرار تھا
باغ تیرے دم سے گویا طبلۂ عطار تھا
تجھ پہ برساتا ھے شبنم دیدۂ گریاں مرا
ھے نہاں تیری اداسی میں دل ویراں مرا
میری بربادی کی ھے چھوٹی اک تصویر تو
خواب میری زندگی تھی جس کی ھے تعبیر تو
ھمچو نے از نیستان خود حکایت می کنم
بشنو اے گل ! از جدائیہا شکایت می کنم !

سید کی لوح تربت

اے کہ تیرا مرغ جاں تار نفس میں ھے اسیر
اے کہ تیری روح کا طائر قفس میں ھے اسیر

خالي شراب عشق سے لالے کا جام ہو

پانی کی بوند گریۂ شبنم کا نام ہو

پنہاں درون سینہ کہیں راز ہو ترا

اشک جگر گداز نہ غماز ہو ترا

گویا زبان شاعر رنگیں بیاں نہ ہو

آواز نے میں شکوۂ فرقت نہاں نہ ہو

یہ دور نکتہ چیں ہے کہیں چھپ کے بیٹھ رہ

جس دل میں تو مکیں ہے وہیں چھپ کے بیٹھ رہ

غافل ہے تجھ سے حیرت علم آفریدہ دیکھ !

جویا نہیں تری نگہ نا رسیدہ دیکھ

رہنے دے جستجو میں خیال بلند کو

حیرت میں چھوڑ دیدۂ حکمت پسند کو

جس کی بہار تو ہو یہ ایسا چمن نہیں

قابل تری نمود کے یہ انجمن نہیں

یہ انجمن ہے کشتۂ نظارۂ مجاز

مقصد تری نگاہ کا خلوت سرائے راز

ہر دل مئے خیال کی مستی سے چور ہے

کچھ اور آجکل کے کلیموں کا طور ہے

نور مسجود ملک گرم تماشا هي رها
اور تو منت پذیر صبح فردا هي رها
آرزو نور حقیقت کي همارے دل میں هے
لیلي ذوق طلب کا گهر اسي محمل میں هے
کس قدر لذت کشود عقدۂ مشکل میں هے
لطف صد حاصل هماري سعي بےحاصل میں هے
درد استفهام سے واقف ترا پهلو نهیں
جستجوئے راز قدرت کا شناسا تو نهیں

درد عشق

اے درد عشق! هے گهر آبدار تو
نا محرموں میں دیکه نه آشکار تو!
پنهاں ته نقاب تري جلوه گاه هے
ظاهر پرست محفل نو کي نگاه هے
آئي نئي هوا چمن هست و بود میں
اے درد عشق! اب نهیں لذت نمود میں
هاں! خود نمائیوں کي تجهے جستجو نه هو!
منت پذیر نالۂ بلبل کا تو نه هو!

آنکھ میری اور کے غم میں سرشک آباد ہو

امتیاز ملت و آئیں سے دل آزاد ہو

بستۂ رنگ خصوصیت نہ ہو میری زباں

نوع انساں قوم ہو میری ' وطن میرا جہاں

دیدۂ باطن پہ راز نظم قدرت ہو عیاں

ہو شناسائے فلک شمع تخیل کا دھواں

عقدۂ اضداد کی کاوش نہ تڑپائے مجھے!

حسن عشق انگیز ہر شے میں نظر آئے مجھے!

صدمہ آجائے ہوا سے گل کی پتی کو اگر

اشک بن کر میری آنکھوں سے ٹپک جائے اثر

دل میں ہو سوز محبت کا وہ چھوٹا سا شرر

نور سے جس کے ملے راز حقیقت کی خبر

شاہد قدرت کا آئینہ ہو دل میرا نہ ہو!

سر میں جز ہمدردیٔ انساں کوئی سودا نہ ہو!

تو اگر زحمت کش ہنگامۂ عالم نہیں

یہ فضیلت کا نشاں اے نیّر اعظم نہیں

اپنے حسن عالم آرا سے جو تو محرم نہیں

ہمسر یک ذرۂ خاک در آدم نہیں

آفتاب صبح

شورش میخانۂ انساں سے بالاتر ہے تو
زینت بزم فلک ہو جس سے وہ ساغر ہے تو
ہو درگوش عروس صبح وہ گوہر ہے تو
جس پہ سیمائے افق نازاں ہو وہ زیور ہے تو
صفحۂ ایام سے داغ مداد شب مٹا
آسمان سے نقش باطل کی طرح کوکب مٹا
حسن تیرا جب ہوا بام فلک سے جلوہ گر
آنکھ سے اڑتا ہے یکدم خواب کی مے کا اثر
نور سے معمور ہوجاتا ہے دامان نظر
کھولتی ہے چشم ظاہر کو ضیا تیری مگر
ڈھونڈتی ہیں جس کو آنکھیں وہ تماشا چاہئے
چشم باطن جس سے کھل جائے وہ جلوا چاہئے
شوق آزادی کے دنیا میں نہ نکلے حوصلے
زندگی بھر قید زنجیر تعلق میں رہے
زیر و بالا ایک ہیں تیری نگاہوں کے لئے
آرزو ہے کچھ اسی چشم تماشا کی مجھے

مہدي لگائے سورج جب شام کي دلہن کو
سرخي لئے سنہري ہر پھول کي قبا ہو
راتوں کو چلنے والے رہ جائیں تھک کے جس دم
امید ان کي میرا ٹوٹا ہوا دیا ہو
بجلي چمک کے ان کو کٹیا مري دکھا دے
جب آسماں پہ ہر سو بادل گھرا ہوا ہو
پچھلے پہر کي کوئل وہ صبح کي مؤذن
میں اس کا ہمنوا ہوں' وہ میري ہمنوا ہو
کانوں پہ ہو نہ میرے دیر و حرم کا احساں
روزن ہي جھونپڑي کا مجکو سحر نما ہو
پھولوں کو آئے جس دم شبنم وضو کرانے
رونا مرا وضو ہو نالہ مري دعا ہو
اس خامشي میں جائیں اتنے بلند نالے
تاروں کے قافلے کو میري صدا درا ہو
ہر دردمند دل کو رونا مرا رلا دے
بیہوش جو پڑے ہیں شاید انہیں جگا دے

آزاد فکر سے ہوں عزلت میں دن گزاروں

دنیا کے غم دل سے کانٹا نکل گیا ہو

لذت سرود کي ہر چڑیوں کے چہچہوں میں

چشمے کي شورشوں میں باجا سا بج رہا ہو

گل کي کلي چٹک کر پیغام دے کسي کا

ساغر ذرا سا گویا مجھکو جہاں نما ہو

ہو ہاتھ کا سرہانا سبزہ کا ہو بچھونا

شرمائے جس سے جلوت خلوت میں وہ ادا ہو

مانوس اسقدر ہو صورت سے میري بلبل

ننھے سے دل میں اس کے کھٹکا نہ کچھ مرا ہو

صف باندھے دونوں جانب بوٹے ہرے ہرے ہو

ندي کا صاف پاني تصویر لے رہا ہو

ہو دلفریب ایسا کہسار کا نظارہ

پاني بھي موج بن کر اٹھ اٹھ کے دیکھتا ہو

آغوش میں زمیں کي سویا ہوا ہو سبزہ

پھر کے جھاڑیوں میں پاني چمک رہا ہو

پانی کو چھو رہی ہو جھک جھک کے گل کي ٹہني

جیسے حسین کوئي آئینہ دیکھتا ہو

دل کا ملنا تو کہاں جب آنکھ تک ملتي نہیں

مجھسے اُس ناآشنا کا ربط اک الزام ہے

فتنے برپا کررہا ہے دمبدم نیرنگ حسن

اور وحشت مفت کولے حسن میں بدنام ہے

انتخاب از بانگ درا

مصنفۂ

سر محمد اقبال بیرسٹرایٹ لا مرحوم

ایک آواز

دنیا کي محفلوں سے اکتا گیا ہوں یارب

کیا لطف انجمن کا جب دل هي بجھ گیا ہو

شورش سے بھاگتا ہوں دل ڈھونڈتا ہے میرا

ایسا سکوت جس پر تقریر بھي فدا ہو

مرتا ہوں خامشي پر، یہ آرزو ہے میري

دامن میں کوہ کے اک چھوٹا سا جھونپڑا ہو

کر گزر بے خوف، اگر کرنے کے قابل کام ہے

رد نکر اے دل اسے، ہمت کا یہ پیغام ہے

ذکر آزادي عبث، ممکن جب آزادي نہیں

کیوں اسے تڑپائے کوئي جو اسیر دام ہے

بھر آغاز عمل درکار ہے ہمت کا جوش

اور تو افسردۂ اندیشۂ انجام ہے

کامیابي کے وسائل پر بھی ڈالي ہے نظر؟

قابل الزام تو خود ہے اگر ناکام ہے

ظرف جو رکھتے ہیں وہ ہوتے نہیں محتاج ظرف

کوئي مست شوق ہے اور کوئي مست جام ہے

رونق صبح جواني کي عبث ہے اب تلاش

آمد پیري نہیں ہے، زندگي کي شام ہے

مرتعش کیوں ہے رگ جاں، دل کو ہے کیوں اضطراب

کچھ تو آخر اُس نگاہ ناز کا پیغام ہے

سرگزشت دل کہوں تو کیا کہوں، کس سے کہوں

خستہ ہے، مظلوم ہے، افسردہ ہے، ناکام ہے

میري محویت نہیں ہے پردہ دار راز عشق

دل میں جسکي یاد ہے لب پر اُسي کا نام ہے

توجہ کے جو قابل ہو حقیقت کیا مرے دل کي

تري برق نظر کو جستجو ہے کس کے حاصل کي

کیا ہے مجھکو بے حس تونے اے افسردگي دل کي

نہ غم ہے بُعد منزل کا نہ عشرت قرب منزل کي

کہا کس نے تجھے اے شوق پابند ادب ہوجا

یہي آخر ہوا دل میں تمنا رہگئي دل کي

تلاطم تھا بہت موجیں بہاکر لیگئیں مجھکو

وگرنہ آرزو تھي کس خرد دشمن کو ساحل کي

مري ہستي کي کیا ہستي مگر دیدۂ بینش

ذرا رنگینیاں تو دیکھنا اس نقش باطل کي

قدم اُٹھتا ہے بیتابانہ، نظریں بھي پریشاں ہیں

خبر دیتي ہے خود بیتابیِ دل قرب منزل کي

بچانا چشم بد سے اے خدا اُس شمع محفل کو

نظر پڑتي ہے اُس پر ہر طرف سے اہل محفل کي

ہمارا نالۂ موزوں ہے جس کو شعر کہتے ہیں

غزل کي شکل میں ہوتي ہے وحشت گفتگو دل کي

———

تري بزم ناز میں تھا جو دل کبھي شمع روشن آرزو

ستم زمانہ سے بنگیا وھي آج مدفن آرزو

مرا دل ازل کا فسردہ ھے مجھے شوق سے سروکار کیا

نہ ھوائے میکدۂ ھوس نہ دماغ گلشن آرزو

وہ اُمیدیں خاک میں ملگئیں وہ تمام نشہ اُتر گیا

نظر اُس نے کي جو عتاب کي ھوئي برق خرمن آرزو

گلي یک بیک مري خستگي ھوئي دور ساري شکستگي

کبھي آئي بھولکے سوئے دل جو نسیم گلشن آرزو

نہ خدنگ ناز نے رخ کیا کبھي جانب دل بینوا

نہ گل مراد سے پر ھوا کبھي اپنا دامن آرزو

مجھے یاد آتا ھے اپنا دل کہ بہار جس سے تھي منفعل

وہ نہال تازۂ رنگ و بو وہ چراغ روشن آرزو

نہ کوئي ھوس ھے نہ ولولہ یہ ھے حال وحشت خستہ کا

ھے فریب خوردۂ آرزو' وہ بنا ھے دشمن آرزو

یقین نامرادي پر بھي حالت ھے وھي دل کي

تمھیں سے چاھتا ھوں داد اپني سعيِ باطل کي

نہ سمجھا معنی نفع و ضرر بازار ہستی میں
ہوائے سود میں دیکھا فقط روئے زیاں تونے

تری لائی ہوئی تھی جو بلا ٹوٹی ترے سر پر
عبث چھیڑا ہے یہ ذکر جفائے آسماں تونے

کوئی ہمدرد بھی دیکھا کوئی غمخوار بھی دیکھا
سنائی تو سبھوں کو درد و غم کی داستاں تونے

زبان آفرین خلق سے کچھ کام بھی نکلا
دکھائیں تو زمانے کو بہت رنگینیاں تونے

مصیبت کیا پڑی تجھپر کہ گویا دست و پا ٹوٹے
دکھائی سخت کمزوری بوقت امتحاں تونے

یہی ہوگا کہ آلودہ کرے اُس خاک اقدس کو
اگر پیدا کیا شوق سجود آستاں تونے

مجھے توخود نظر آتا ہے تو اک خاک کا تودہ
گرائی کس پہ برق نالۂ آتش‌فشاں تونے

تری فریاد نے کھینچا دل شیخ و برہمن کو
طلسم تازہ باندھا وحشت جادو بیاں تونے

مرے دیدہ ہاے تر کو رہی اک نیازمندی
کبھی تیرے آستاں سے کبھی میری آستیں سے
خبر شکستگی تھی مرے جام آرزو کی
وہ صداے حسرت افزا جو اٹھی دل حزیں سے
وہ تعلقات باہم وہ حقوق آشنائی
مرے سر کو نسبتیں ہیں ترے پاے نازنیں سے
ہے بساط دل مرقع ترے نقش خال و خط کا
ہے مشام جاں معطر تری زلف عنبریں سے
یہ ہے دفتر محبت جو رقم ہوا ہے وحشت
ہے زمانہ مست لذت مرے شعر دلنشیں سے

ستم برپا کیا پھر اے دل ناشادماں تو نے
کہ چھیڑی عہد ماضی کی غم افزا داستاں تو نے
تری غفلت پرستی نے رکھا محو طرب تجھکو
سنی گو بارہا بانگ دراے کارواں تو نے
تری تفریح دم بھر کی ترا سرمایۂ عشرت
نہ پایا بیخبر ذوق نشاط جاوداں تو نے

مجھے اب شگفتگي کي ھو قفس ميں کيا توقع
گئي ساتھ آشياں کے جو تھي بات آشياں کي

ھوئي مانع رسائي مري ناتواني ورنہ
مجھے کھينچتي رھي ھے کشش اُسکے آستاں کي

کبھي مل تو جائے موقع مجھے شرح آرزو کا
مرے سر کو حسرتيں ھيں ترے سنگ آستاں کي

ھو رسائي کيا وھاں تک مجھے آسرا يھي ھے
کہ اُنھيں کو ياد آئے کبھي اپنے ناتواں کي

نھيں اھل فن ميں وحشت مجھے ايک سے بھي چشمک
کہ ھے قدر ميرے دل ميں شعرائے نکتہ داں کي

کبھي ھو جو اتني جرأت کھوں ساقي حسيں سے
ھوس ايک جام کي ھے ترے دست نازنيں سے

مري کيا خطا جو واقف نھو تيرا ناز خود بيں
کہ مري نيازمندي ھے عياں مري جبيں سے

مجھے رات اُسکي محفل نظر آئي ايک نيرنگ
چمک اُٹھي زلف شبگوں جو تجلي جبيں سے

حرم کیا دیر کیا یکساں کشش تھی سارے عالم میں
خدائی جمع ہوتی خود نمائی تم جہاں کرتے
کیا موقوف ہم نے قطعۂ درد نہاں وحشت
کہاں تک خامۂ حسرت رقم کو خونچکاں کرتے

شب و روز ایک حالت ہے مرے دل تپاں کی
اسے جستجو ہے کسکی اسے فکر ہے کہاں کی
ہوئیں باعث تردد نہ جفائیں آسماں کی
ترے غم نے تہنیت دی مجھے عیش جاوداں کی
انہیں علم ہوچکا ہے مری طاقت و تواں کی
وہ کرینگے خاک پروا مرے نالہ و فغاں کی
سر شاخ آشیاں بھی مجھے خوف تھا قفس کا
نہوئی نصیب دل کو کبھی راحت آشیاں کی
مجھے ہمنوا نہ دینا کہیں زحمت تکلم
کہی جائیگی قفس میں نہ حکایت آشیاں کی
نہوئی خبر جب انکے دل غفلت آشنا کو
وہیں کھلگئی حقیقت مرے نالہ و فغاں کی

نہ تھی منظور ہم کو شمع تقلید رسوائی

کہ محفل میں بیان لذت سوز نہاں کرتے

ابھی ہیں قوتیں ناآزمودہ حسن و الفت کی

جو تم کھینچتے تو ہم بھی جذب دل کا امتحاں کرتے

مزا آتا اگر گزری ہوئی باتوں کا افسانہ

کہیں سے ہم بیاں کرتے کہیں سے تم بیاں کرتے

اگر کچھ التفات ناز ہوتا حوصلہ‌افزا

تو شرح آرزو ہم داستاں در داستاں کرتے

قفس میں پرفشانی کا نتیجہ تھا پشیمانی

بجز آہ و فغاں کیا اور ہم سے ناتواں کرتے

دل افسردہ کو اپنے جو احساس طرب ہوتا

تو ہم بھی دوگھڑی سیر بہار بوستاں کرتے

نہ پروا کی ہماری کارواں نے جب تو پھر ہم بھی

بچھڑ کر کارواں سے کیا تلاش کارواں کرتے

ہم اپنے دیدۂ مشتاق ہی سے کام لیتے ہیں

حجاب آتا ہے اُن سے آرزوؤں کا بیاں کرتے

ہمیں بے فائدہ تجدید غم کی کیا ضرورت ہے

پس از بربادیٔ گلشن جو یاد آشیاں کرتے

آخر بني نه بات طلسم خيال كي
يعني فضول تهي طلب امر محال كي
معلوم كر سكا نه تو اے بے خبر كبهي
وه كون شے هے جسكي ضرورت هے واقعي
مقصد ترے جهان ميں آنے سے كچهه تو تها
بيصرفه تو نے عمر گزاري، ستم كيا
هاں كشتهٔ اميد بجا كهه رها هے تو
"اب ميں هوں اور ماتم يک شهر آرزو"

قفس ميں عمر گزري ناله و آه و فغاں كرتے
هم آخر كس توقع پر خيال آشياں كرتے
هماري دور بيني هے همارے امن كي دشمن
نهوتي فكر مستقبل تو عيش جاوداں كرتے
پتا ملتا نهيں جنس وفا كا اب زمانے ميں
كهيں سے هاتهه اگر لگتي تو نذر دوستاں كرتے
حرم ميں بهي جب اپنے ساتهه تهي قسمت كي محرومي
تو هم كس منهه سے آخر شكوهٔ جور بتاں كرتے

وحشت نپوچھ حال پریشانی دماغ

ہیں ناوک بلا کے ہدف چار سو ے ہم

ماتم آرزو

رحمت خدا کی تجھپہ ہو ناکام آرزو

اے خاطر ستمکش ایام آرزو

آہ اے فریب خوردۂ نقش امید آہ

کیا کیا ہوس نے نہ تجھکو کیا تباہ

طول امل کے دام مین تو پھنس کے رھگیا

افسوس بر نہ آیا کوئی تیرا مدعا

سب تیری زندگانی کا روشن ہے مجھپہ حال

معلوم خوب ہے ترا ہر عیب ہر کمال

طفلی ہی سے تو عیش خیالی میں مست تھا

خواب مسرت ابدی دیکھتا رہا

منصوبے باندھتا تھا ہزاروں مگر کبھی

اے نامراد فکر عمل ایک دم نہ کی

اول تو خواہشیں ہی تری بے شمار تھیں

اور پھر نکلنے کے لئے سب بیقرار تھیں

ہے تغافل ایک ادا ولے یہ سکھایا کس نے بھلا تجھے

کہ کسي ستمکش شوق پر کبھي بھولکر بھي نظر نہ کر

خلش امید ہے جانگزا کوئي کہدے وحشت خستہ سے

کہ یہ شام شام فراق ہے عبث آرزوے سحر نہ کر

کچھ کام لے سکے نہ کبھي جستجو سے هم

شرمندہ هي رهے هیں تري آرزو سے هم

کچھ اور هي سبب هے کہ بیزار گل سے هیں

نا آشنا نهیں چمن رنگ و بو سے هم

حیرت کي هے قسم کہ هیں سر تا سر آئینہ

هوکر دوچار اس بت آئینہ رو سے هم

هر اک بقدر ظرف هے خواهاں نشاط کا

مے سے قدح سے سبو اور سبو سے هم

یا رب همیں نصیب نهو لذت خلش

رسوا کریں جو زخم جگر کو رفو سے هم

مطلوب هے سرور، عبادت کے ذوق میں

اک دن وضو کرینگے مئے مشکبو سے هم

رشک کہاں حسد کسے اور مجھے خوشی ہوئی

غم میں ترے رقیب کو سینہ فگار دیکھکر

حال چمن خزاں میں بھی ایسا کبھی ہوا نہ تھا

اپنا جو حال ہو گیا رنگ بہار دیکھکر

جتنے ادا شناس تھے ہوگئے مست بے پیئے

ساقی بزم ناز کو بادہ گسار دیکھکر

وحشت خستہ حال سنا مجھکو وہ شمس کی غزل

رونے لگے وہ زار زار سوے مزار دیکھکر

تو ہے آفریدہ پئے طرب مرے غم سے چشم کو تر نہ کر

مری خستگی سے حزیں نہو مری بیکسی پہ نظر نہ کر

نہ اُٹھہ اے خروش سحر کہی غم نیم شب تو اثر نہ کر

ہے دل اسکا نازک و بیخبر اُسے میرے دل کی خبر نہ کر

ہوس وصال بلا ہے تو تری کاوشوں نے ستم کیا

تو نہال گلشن یاس ہے عبث آرزوے ثمر نہ کر

نہیں پائمالیٔ عاشقاں بجز اک نظر کا معاملہ

ترے اختیار کی بات ہے جو کرے یہ کام مگر نہ کر

هے آئینہ عرق آلود ' تھا پاس حجاب اُسکا

یہ میری سادگی تھی میں نے ڈھونڈھا تھا جواب اُسکا

ہزاروں اُسکے قدموں پر تھے مشتاق گرفتاری

مرے ہی دل کو چھانٹا دیکھنا تو انتخاب اُسکا

مجسم مہر ہے ' ہرچند مہر اُسکی بلا نکلی

تری چشم حیا پرور کہ عالم ہے خراب اُسکا

ہے ارزاں اسقدر دیدار جاناں ہم نہ مانینگے

زلیخا کیا سناتی ہے خیال اُسکا ہے خواب اُسکا

وہ زلف خم بخم کب ہاتھ اُٹھاتی ہے مرے سر سے

گرہ ہوکر رہا ہے میرے دل میں پیچ و تاب اُسکا

کلام عرفی شیراز ہے تقلید کے قابل

ہمارے ریختے میں دیکھلے وحشت جواب اُسکا

اُٹھ نہ سکا قدم مرا خانۂ یار دیکھکر

رہگئی چشم آرزو نقش و نگار دیکھکر

بزم نشاط سے کبھی مجھکو بھی تھی مناسبت

آج ہوئی ہے چشم تر ابر بہار دیکھکر

دیر ملا تھا راہ میں کعبے کو ہم نکل گئے

جذبۂ شوق میں دماغ کسکو ہو امتیاز کا

بندگی اور صاحبی اصل میں دونوں ایک ہیں

جسکا غلام ایاز تھا وہ ہے غلام ایاز کا

گوتہی نصیب نے دور رکھا تو کیا ہوا

بندۂ خانہ‌زاد ہوں اسکے قد دراز کا

شوق ترا ہے موجزن ذوق ترا بہانہ جو

کھول نہ دیں بھرم کہیں پردگیان راز کا

خاک میں ملگئے ولے آنکھ اُٹھی نہ شرم سے

ہم سے ہوا نہ حق ادا اُسکی نگاہ ناز کا

مطرب خلد کیا سنائے وحشت خستہ کیا سنے

معتقد قدیم ہے زمزمۂ حجاز کا

حریف دیدۂ دیدار جو کیا ہو حجاب اُسکا

نگاہ آشنا ہے مجھکو ہر تار نقاب اُسکا

غضب ساقی کی بدمستی' ستم جوش شباب اُسکا

چھلک پڑتا ہے اُسکے ہاتھ سے جام شراب اُسکا

رهتا هوں غرق اُنکے تصور میں روز و شب

مستي کا پڑگیا هے کچھه ایسا مزا مجھے

رکھئے نه مجھپه ترک محبت کي تہمتیں

جسکا خیال تک بھي نہیں هے روا مجھے

بیگانۂ ادب کئے دیتي هے کیا کروں

اُس محو ناز کي نگه آشنا مجھے

اُس بے نشاں کے ملنے کي حسرت هوئي امید

آب بقا سے بڑھکے هے زهر فنا مجھے

کلام وحشت

آئینۂ خیال تھا عکس پذیر راز کا

طور شہید هوگیا جلوۂ دلنواز کا

پایه بہت کیا بلند اُس نے حریم ناز کا

تا نه پہنچ سکے غبار رهگزر نیاز کا

خستگي کلیم نے نکته عجب سجھا دیا

ورنه حریف میں تھا اُس مژۂ دراز کا

بتابیوں سے چھپ نہ سکا حال آرزو
آخر بچے نہ اس نگہ بدگماں سے ہم
مایوس بھي تو کرتے نہں تم زراہ ناز
تنگ آگئے ہیں کشمکش امتحاں سے ہم
خلوت بنیگي تیرے غم جاں نواز کي
لینگے یہ کام اپنے دل شادماں سے ہم
ہے انتہائے یاس بھي اک ابتدائے شوق
پھر آگئے وہیں پہ، چلے تھے جہاں سے ہم
حسرت پھر اور جا کے کریں کسکي بندگي
اچھا جو سر اُٹھائیں بھي اُس آستاں سے ہم

ہر حال میں رہا جو ترا آسرا مجھے
مایوس کرسکا نہ ہجوم بلا مجھے
ہر نغمے نے اُنھیں کي طلب کا دیا پیام
ہر ساز نے اُنھیں کي سنائي صدا مجھے
ہر بات میں اُنھیں کي خوشي کا رہا خیال
ہر کام سے غرض ہے اُنھیں کي رضا مجھے

زمان فضل گل آیا نسیــــم مشکبا آئي

دلونکو مژده هو پهر جوش مستي کي بهار آئي

سر پر شور بهي اک بار تها جسکو مري گردن

ترے کوچے میں آج اے فتنۂ دوران اتار آئي

جو انکے حسن سے بهي بڑهگئي هے بیقراري میں

تڑپ ایسي کہاں سے عشق میں پروردگار آئي

یہ کیا اندهیر هے ' اے دشمن اهل وفا تجهه سے

هوس نے کام جان پایا محبت شرمسار آئي

بجا هیں کوششیں ترک محبت کي مگر حسرت

جو پهر بهي دلنوازي پر وہ چشم سحر کار آئي

اپنا شوق اوروں میں لائیں کہاں سے هم

گهبرا گئے هیں بیدلی همرهـــاں سے هم

کچهه ایسي دور بهي تو نهیں منزل مراد

لیکن یہ جب کہ چهوٹ چلیں کارواں سے هم

اے زهد خشک تیري هدایت کے واسطے

سوغات عشق لائے هیں کوئے بتـــاں سے هم

عدو سے کیوں ہیں وہ راضي نہ کچھ کھلا حسرت

کہ پھر طریق وہي اختیار ہم کرتے

تیرا کرم جور نما میرے لئے ہے

یہ درد کہ ہے جان دوا میرے لئے ہے

پرسش جو ہوئي روز ازل قسمت غم کي

بیساختہ دل بول اٹھا میرے لئے ہے

میں اپني مصیبت پہ ہوں نازاں کہ خوش ہیں

مجھسے کہ یہ پابند بلا میرے لئے ہے

غیروں سے کبھي ہے انہیں نفرت کبھي الفت

ان دونوں سے اک بات جدا میرے لئے ہے

ایسا تو نہ ہوگا کہ نہ پہونچوں ترے در تک

جب تیري کشش راہ نما میرے لئے ہے

مقصود ہے اتنا کہ رہے مجھپہ توجہ

مخصوص یہ انداز جفا میرے لئے ہے

دیکھا تو کہا مجھکو غم یار نے حسرت

یہ سوختۂ بے سروپا میرے لئے ہے

کسي پر اپني محبت کا حال کیوں کھلتا

نظر بھي انپہ جو بیگانہ وار ھم کرتے

ترے ستم کي شکایت ضرور کیا تھي ھمیں

کہ شوق سے گلۂ روزگار ھم کرتے

اگر ذرا بھي انھیں مائل کرم پاتے

تو جان زار کو امیدوار ھم کرتے

وہ بار بار سزا جرم شوق پر دیتے

مگر قصور وھي بار بار ھم کرتے

دلوں کي دشت تمنا میں تھي فراواني

وہ کھتے ھیں کہ کھانتک شکار ھم کرتے

ترے خیال نہ دل سے کسي طرح جاتا

تجھے نہ بھولتے کوشش ھزار ھم کرتے

جو نام آپ کا لیتے سکون غم کیلئے

تو دل کو اور بھي کچھہ بیقرار ھم کرتے

سمجھہ کے چھوڑ دیئے بیحساب آخرکار

کہ دل کے داغ کھانتک شمار ھم کرتے

ابھي سے تجھپہ فدا ھوگئے تو غم کیا ھے

کہ یہ وھي ھے جو پایان کار ھم کرتے

بیمثالي کا ہے یہ رنگ جو باوصف حجاب
بے نقابي پہ ترا جلوۂ یکتا کیا ہو
دیکھیں ہم بھي جو ترے حسن دل آرا کي بہار
اسمیں نقصان ترا اے گل رعنا کیا ہو
ہم غرض مند کہاں مرتبۂ عشق کہاں
ہمکو سمجھیں وہ ہوس کار تو بیجا کیا ہو
دلفریبي ہے تري باعث صد جوش و خروش
حال یہ ہو تو دل نزار شکیبا کیا ہو
رات دن رہنے لگي اس ستم ایجاد کي یاد
حسرت اب دیکھیئے انجام ہمارا کیا ہو

جو دور سے بھي نظر تجھپہ یار ہم کرتے
ہزار جان گرامي نثار ہم کرتے
ترے خیال سے باتیں ہزار ہم کرتے
غم فراق کو یوں خوشگوار ہم کرتے
ہوائے گل میں نہ پروائے خار ہم کرتے
رہ طلب میں قدم استوار ہم کرتے

حیف ہے اُسکی بادشاہي پر
تیرے کوچے کا جو گدا نہ ہوا

خم کے خم غیر لے گئے ساقي
ہمکو اک جام بھي عطا نہ ہوا

مرگئے ہم تو مٹ گئے سب رنج
یہ بھي اچھا ہوا برا نہ ہوا

ڈر گیا اُس نگاہ برہم سے
دل کو یاراے التجا نہ ہوا

ملگئي مجھکو صبر و عشق کي داد
وہ جو شرمندۂ جفا نہ ہوا

قانع رنج عشق تھا حسرت
عیش دنیا سے آشنا نہ ہوا

حسن بے مہر کو پرواۓ تمنا کیا ہو
جب ہو ایسا تو علاج دل شیدا کیا ہو

کثرت حسن کي یہ شان نہ دیکھي نہ سني
برق لرزاں ہے کوئي گرم تماشا کیا ہو

رنگینیوں کي جان هے وه پائے نازنین
میري نگاه شوق جهاں سر کے بهل گئي
اچها هے گوشه گیر قناعت هوے جو هم
تکلیف همنشیني اهل و دل گئي
حسرت یه دور جهل هے دولت کو هے فروغ
اب هم سے قدرداني علم و عمل گئي

تجهکو پاس وفا ذرا نه هوا
هم سے پهر بهي ترا گلا نه هوا
ایسے بگڑے که پهر جفا بهي نه کي
دشمني کا بهي حق ادا نه هوا
کٹ گئي احتیاط عشق میں عمر
هم سے اظهار مدعا نه هوا
تیرے اس التفات کا هوں غلام
جو هوا بهي تو بر ملا نه هوا
کچهه عجب چیز هے وه چشم سیاه
تیر جسکا کبهي خطا نه هوا

طریق عشق جاناں ہے جدا گر و مسلماں کا

یہیں سے اختلاف سبحۂ و زنار پیدا ہے

نگاہ آرزو گلچیں باغ کا مہرانی ہے

بشان خواب شکل طالع بیدار پیدا ہے

وفا میری بشکل بے زبانی آشکلا تھی

ستم تیرا برنگ پرسش اغیار پیدا ہے

نسیم دہلوی کی پیروی آساں نہیں حسرت

تجھی سے ہے کہ یہ نیرنگی گفتار پیدا ہے

دلکی جو ترک عشق سے حالت بدل گئی

وہ بیخودی وہ خرمی بے خلل گئی

مجھکو فلک نے مجھ سے چھڑایا تو کیا ہوا

کیا تیری یاد بھی مرے دل سے نکل گئی

آہ اس سے پارسائی جو رہتی تو خوب تھا

کیوں اس حریم عیش میں یوں سمہل گئی

سودا ہی وہ نہیں ہے جو سر سے چلا گیا

حسرت ہی وہ نہیں ہے جو دل سے نکل گئی

کس درجہ پشیماں ہے تاثیر وفا میری

اُس شوخ پہ آتا ہے الزام پشیمانی

دیکھ اے ستم جاناں یہ نقش محبت ہیں

بنتے ہیں بدشواری مٹتے ہیں بہ آسانی

میں اُس بت بدخو کی اس آن پہ مرتا ہوں

کھینچا نہ کبھی اُس نے اندوہ پشیمانی

یاں صبر میں ہے پنہاں کیفیت بیتابی

واں لطف سے پیدا ہے انداز ستم رانی

قائم ہے ترے دم سے طرز سخن قائم

پھر ورنہ کہاں حسرت یہ رنگ غزلخوانی

خیال یار میں بھی رنگ و بوے یار پیدا ہے

یہ رنگیں ماجرائے عشق شیریں کار پیدا ہے

ترے روے دلارا کے تصویر کا یہ عالم تھا

کہ چشم شوق میں اک حسن کا گلزار پیدا ہے

مرے اصرار مضطر ہیں نہاں تھی مایوسی

ترے اقرار آساں سے ترا انکار پیدا ہے

ہے مشق سخن جاری چکی کی مصیبت بھی
اک طرفہ تماشا ہے حسرت کی طبیعت بھی

برسات کے آتے ہی توبہ نہ رہی باقی
بادل جو نظر آئے بدلی مری نیت بھی

عشاق کے دل نازک کہ اس شوخ کی خو نازک
نازک اسی نسبت سے ہے کار محبت بھی

رکھتے ہیں مرے دل پر کیوں تہمت بیتابی
یاں نالۂ مضطر کی جب مجھ میں ہو قوت بھی

اے شوق کی بیتاکی وہ کیا تری خواہش
جسپر انہیں غصہ ہے انکار بھی حیرت بھی

ہیں شاد و صفی شاعر یا شوق و وفا حسرت
پھر ضامن و محشر ہیں اقبال بھی وحشت بھی

تھی راحت حیرت کی کس درجہ فراوانی
میں نے غم ہستی کی صورت بھی نہ پہچانی

اک میں ہوں سو کیا میں ہوں محروم فراغت ہوں
اک دل ہے سو کیا دل ہے۔ مجبور پریشانی

نہ اُنکو رحم آتا ہے نہ مجھسے صبر ہے ممکن

کہیں آسان ہو یارب محبت کي یہ دشواري

وفور اشک پیہم سے ہجوم شوق بیعد میں

مري آنکھوں سے ہے اک آبشار آرزو جاري

غضب رنگینیاں تھیں گریہ ہائے ابتدائي کي

ہوئي ہے جنسے دامان محبت پر یہ گلکاري

نہیں کھلتي مري نسبت تري اے حیلہ جو مرضي

کہ ہے اقرار دلجوئي نہ انکار ستمگاري

نہ کر اتنا ہم دردمندوں پر کہ دنیا سے

مبادا یکقلم اُٹھ جائے تہذیب وفاداري

نہ دیکھے اور دل عشاق پر پھر بھي نظر رکھے

قیامت ہے نگاہ یار کا حسن خبرداري

یہي عالم رہا گر اُسکے حسن سحر پرور کا

تو باقي رہ چکي دنیا میں راہ درہم ہشیاري

وہ جرم آرزو پر جسقدر چاہے سزا دے لیں

مجھے خود خواہش تعزیر ہے ملزم ہوں اقراري

نسیم دہلوي کو وجد ہے فردوس میں حسرت

جزاک اللہ تیري شاعري ہے یا فسوں کاري

بیزباني ترجمان شوق بیحد هو تو هو

ورنه پیش یار کام آتي هیں تقریریں کہیں

مٹ رهي هیں دل سے یادیں روزگار عیش کي

اب نظر کاهیکو آئینے یه تصویریں کہیں

التفات یار تها اک خواب آغاز وفا

سچ هوا کرتي هیں ان خوابونکي تعبیریں کہیں

تیري بیصبري هے حسرت خامکاري کي دلیل

گریهٔ عشاق میں هوتي هیں تاثیریں کہیں

ستم تم چهوڑ دو میں شکوه سنجهاے ناچاري

که فرض عین هے کیش محبت میں وفاداري

هوئیں ناکامیاں بدنامیاں رسوائیاں کیا کیا

نه چهوٹي همسے لیکن کوئے جانانکي هواداري

نهیں غم نه جیب دامن کا مگر هاں فکر اتني هے

نه آئیگا مرے دست جنوں سے فکر بیکاري

نه چهوڑا مرتے دم تک ساته بیمار محبت کا

قسم کهانیکے قابل هے ترے غم کي وفاداري

نہیں ہے قدرداں کوئی تو میں ہوں قدرداں اپنا

تکلف برطرف بیگانۂ رسم شکایت ہوں

کمال خاکساری پر یہ بے پروالیاں حسرت

میں اپنی داد خود دے لوں کہ میں بھی کیا قیامت ہوں

بُھلاتا لاکھ ہوں لیکن برابر یاد آتے ہیں

الٰہی ترک الفت پر وہ کیونکر یاد آتے ہیں

نہ چھیڑ اے ہمنشیں کیفیت صہبا کے افسانے

شراب بیخودی نے مجھکو ساغر یاد آتے ہیں

رہا کرتے ہیں قید ہوش میں اے وائے ناکامی

وہ دشت خود فراموشی کے چکر یاد آتے ہیں

نہیں آتی تو یاد اُنکی مہینوں تک نہیں آتی

مگر جب یاد آتے ہیں تو اکثر یاد آتے ہیں

حقیقت کھلگئی حسرت ترے ترک محبت کی

تجھے تو اب وہ پہلے سے کبھی بڑھکر یاد آتے ہیں

وصل بنتی ہیں ان باتوں سے تدبیریں کہیں

آرزوؤں سے پھرا کرتی ہیں تقدیریں کہیں

حیرت غرور حسن سے شوخی سے اضطراب

دل نے بھی تیرے سیکھ لئے ھیں چلن تمام

اللہ رے جسم یار کی خوبی کہ خود بخود

رنگینیوں میں ڈوب گیا پیرھن تمام

دیکھو تو چشم یار کی جادو نگاھیاں

بیھوش اک نظر میں ھوئی انجمن تمام

نشو و نمائے سبزہ و گل سے بہار میں

شادابیوں نے گھیر لیا ھے چمن تمام

شیرینی نسیم ھے سوز و گداز میر

حسرت ترے سخن پہ ھے لطف سخن تمام

گرفتار محبت ھوں اسیر دام الفت ھوں

میں رسوائے جہاں آرزو ھوں یعنی حسرت ھوں

عجب انداز ھے میرے مزاج لا ابالی کا

نہ ممنون تمنا ھوں نہ مشتاق مسرّت ھوں

مری بیتابیوں کا قول ھے ؛ ھم جان تمکیں ھیں

مری افتادگی کہتی ھے تاج فرق عزّت ھوں

اب وہ ہجوم شوق کي سرمستياں کہاں

مايوسي فراق نے دل ہي بُجھا ديا

حسرت يہ وہ غزل ہے جسے سنکے سب کہيں

مؤمن سے اپنے رنگ کو تونے ملا ديا

نہاں شانِ تغافل ميں ہے رمز امتيازاسکا

باندازِ جفا ہے التفاتِ دلنوازاسکا

نگاہ آرزو نگاہ يار کيا لاتي

اگر حائل نہ ہو جاتا حجابِ کارسازاسکا

غلط ہے شکوہ سنجي ميرے عشق ناشکيبا کي

بجا کرتا ہے جو کرتا ہے حسن بے نياز اسکا

چھڑايا دم زدن ميں دلکو فکر شادي و غم سے

قيامت پر اثر تھا جلوۂ حيرت نوازاسکا

ديارِ شوق ميں ماتم بپا ہے مرگ حسرت کا

وہ وضع پارسا اسکي وہ عشق پاکباز اسکا

سرگرم ناز آپکي شان جفا ہے کيا

باقي ستم کا اور ابھي حوصلا ہے کيا

کدورت سے دل اپنا پاک رکھ اے پیر پیري میں
که جسکو منھ دکھاتا ھے یه آئینه اسي کا ھے

انتخاب از دیوان حسرت

مصنفهٔ

سید فضل الحسین حسرت موهاني بي - اے

حسن بے پروا کو خود بین و خود آرا کر دیا
کیا کیا میں نے که اظهار تمنّا کر دیا

عشق سے تیرے بڑھے کیا کیا دلونکے مرتبے
مهر ذروں کو کیا قطروں کو دریا کر دیا

سب غلط کهتے تھے لطف یار کو وجه سکوں
درد دل اسنے تو حسرت اور دونا کر دیا

پیهم مجھے پیالهٔ مے بر ملا دیا
ساقي نے التفات کا دریا بها دیا

الله رے بهار کي رنگ آفرینیاں
صحن چمن کو تختهٔ جنت بنا دیا

مشقت کے سوا کیا ملگیا مشق سخن کرکے
عدو چاروں طرف پیدا کئے ہم نے یہ فن کرکے
کہا سب کچھہ حریفوں نے ادھر روے سخن کرکے
مگر بیٹھے ہیں خاموشي کو ہم قفل دھن کرکے
قفس میں سوز غم سے میں اگر صیاد مرجاؤں
اڑانا خاک میري رو بدیوار چمن کرکے
ملے آرام شاید شاد دل کو دشت غربت میں
ارادہ ہے کہ کچھہ دن دیکھہ لوں ترک وطن کرکے
رهے هر حال میں جو مطمئن جینا اسي کا هے
پلائے جسکو خود پیر مغاں پینا اسي کا هے
یہ بزم مے هے یاں کوتاہ دستي میں هے محرومي
جو بڑھکر خود اٹھالے هاتھہ میں مینا اسي کا هے
جہاں چاهے بشر کو لیکے جاتے همت عالي
جسے کہتا هے زاهد عرش یہ زینہ اسي کا هے
مکدر یا مصفا جسکو یہ دونوں هي یکساں هوں
حقیقت میں وهي میخوار هے پینا اسي کا هے
مبارک هے یہ شب پي پي کے میخانہ میں اے مستو
گزارے جو شب آدینہ آدینہ اسي کا هے

بہت کچھ پاؤں پھیلا کر بھي دیکھا شاد دنیا میں

مگر آخر جگہ ہم نے نہ دو گز کے سوا پائي

آنکھوں سے سدھاري بینائي سننے سے مُعطّل گوش ہوئے

جب ہوش تھے تب مدہوش رہے جب ہوش نہیں تب ہوش ہوئے

شب عمر کي گزري ہمبزم مگر چپ نہ رہیں کیا منھ سے کہیں

تھے شمع صفت اس محفل میں جب صبح ہوئي خاموش ہوئے

غفلت کدہ ہے یہ میخانہ ساقي ہے یہاں کا بے پروا

کیوں شاد تمھیں آئي نہ حیا کیا سوچ کے تم مینوش ہوئے

ہزاروں آرزوئیں ساتھ ہیں اس پر اکیلي ہے

ہماري روح بے بوجھي ہوئي اب تک پہیلي ہے

اجل بھي تلملي دیکھي گئي حالت نہ آنکھوں سے

شب غم میں مصیبت سي مصیبت ہم نے جھیلي ہے

عدم کا تھا سفر درپیش، توشہ جب نہ ہاتھ آیا

بہت سي نامرادي چلتے چلتے ساتھ لی لي ہے

نہ پوچھو شاد ویراني کو دل کي کیا بتاؤں میں

تمنا جا چکي حسرت غریب اس میں اکیلي ہے

نقاب اک دن الٹ دینا تھا اس روے دل آرا کو

هم اپنا سا بنا لیتے کبھی تو اهل دنیا کو

نگاہ شوق مجنوں فرش سے تا عرش جاتي هے

کہاں تک پردۂ محمل چھپالے روے لیلی کو

لباس اهل تقوی پر نہیں کچھ منحصر واعظ

نہیں کیا هم کہ کس کس بھیس میں دیکھا هے دنیا کو

زمانہ چاهتا هے وزن هر شئ کا برابر هو

گھٹا دیتا هے اعلی کو بڑها دیتا هے ادنی کو

جو اُنکو بے حجاب اے شاد دیکھا چاهتے هو تم

جلا دو اور بھي آئینۂ قلب مصفا کو

نہ چین اس عقل کے هاتھوں نہ آسائش ذرا پائي

بشر کے جسم میں اے روح کیوں کیسي سزا پائي

نہ دیکھے اے چمن دو پھول تجھ میں ایک صورت کے

جو صورت ملگئي ' بو باس دنوں کي جدا پائي

اُسے کے پاس بیٹھے سرد سرد آهیں جو بھرتا تھا

وهیں بستر لگایا جس جگہ ٹھنڈي هوا پائي

نگاہ ناز سے قیمت چکاتے نہیں دل کی

غرض ہے جس گھڑی جو کچھ ملے وہ دام لیتے ہیں

کبھی مُضطر کبھی مُحزوں کبھی وحشی کبھی بیخود

تعجب ہے ہم ایسے دل سے کیونکر کام لیتے ہیں

نئے دکھ میں پھنساتا ہے فلک اے شاد یا قسمت

جو بھولے سے بھی نام راحت و آرام لیتے ہیں

جہاں تک ہو بسر کر زندگی عالی خیالوں میں

بڑا دیتا ہے کامل بیٹھنا صاحب کمالوں میں

مری آنکھوں سے دیکھو حسن صورت کے علاوہ بھی

بہت سی خوبیاں ہیں اور بھی صاحب جمالوں میں

مرے پہلو سے آخر اٹھگیا غمخوار گھبرا کر

بہت مشکل ہے آکر بیٹھنا آشفتہ حالوں میں

جو آنکھیں ہوں تو چشم غور سے اوراق گل دیکھو

کسی کے حسن کی شرحیں لکھی ہیں اِن رسالوں میں

خوشا وہ صدر میں جنکو جگہ وہ شاہ خوباں دے

ہمارا ذکر کیا اے شاد ہم ہیں خستہ حالوں میں

کس خوشي سے تہنیت دیدیکے یوں کہتا ہے دل
وصل کي شب ہے مبارک دوست کو پہلوے دوست
شاد اهل شک یونهي شک میں پڑے رهجاینگے
هم انہیں آنکھوں سے اک دن دیکھہ لینگے روے دوست

ناز کرشمه ساز کیوں غمزۂ دلنواز کیوں
سب تو هیں تیرے مبتلا اس پہ یہ امتیاز کیوں
قامت فتنه خیز کو خواهش حشر کس لئے
بازي نو کي فکر میں نرگس نیم باز کیوں
اسکے اجاڑنے کي فکر خود همیں مدتوں سے تھي
دل کا مرے عدو هوا نالۂ جانگداز کیوں
شاد سخن کي جان ہے بادۂ نغمۂ و سرود
آپ تو شعر کہتے هیں آب کو احتراز کیوں

انہیں دیکھو که اب تک غفلتوں سے کام لیتے هیں
همیں دیکھو که بے دیکھے انہیں کا نام لیتے هیں
کہا دل نے مرے هنسکر جو نقد داغ هاتھہ آیا
ادهر هم کام کرتے هیں ادهر انعام لیتے هیں

بچا دل کو نہ غافل آتش مہر و محبت سے
جبھي تک ہے فروغ اس سوز سے جبتک ہے ساز اسکا

کریں دینداري کي حلت و حرمت پہ تقریریں
مجھے تو ملگیا ساقي سے فتوائے جواز اسکا

نہ چھوڑے جستجوئے یار خضر شوق سے کہدو
کسي دن خود لگالیگي پتا عمر دراز اسکا

کہاں یہ تاب و طاقت ہے کہ ہم قفل دھن کھولیں
خزانہ کي طرح دل میں لیئے بیٹھے ھیں راز اسکا

محو ھیں اپني جگہہ آسودگان کوئے دوست
آرزو دل میں ہے دل آنکھوں میں آنکھیں سوے دوست

نکلے آتے ھیں زمیں سے پھول کس کس رنگ کے
شعبدے دکھلا رھي ہے نرگس جادوے دوست

کس کي قدرت کون سمجھے ان اشاروں کو بھلا
خلوت اَسرار دل ہے گوشۂ ابروے دوست

دھر میں کیا کیا ھوئے ھیں انقلابات عظیم
آسماں بدلا زمیں بدلي نہ بدلي خوے دوست

شاد صد شکر کٹي عمر مگر آج تلک

طرز یاران طریقت نه فراموش رها

محبت میں نه کیوں جي سے گزرتا

مثل سچ هے که مرتا کیا نه کرتا

تڑپتا گر نه زیر تیــغ بسمـل

لہو سے کیوں کسي کا هاتھ بھرتا

مزا کیا هے حباب اِس زندگي کا

که تو دم بھر کسي کا دم تو بھرتا

غضب گھرا تھا بحر عشق اے شاد

جو ڈوبا اس میں پھر کیونکر ابھرتا

رهے دلبستگي غم سے بڑھے سوز و گداز اسکا

گره کھلجائیگي دل کي تو کھلجائیگا راز اُسکا

زمانه چاهیئے دل کو که حاصل هو نیاز اسکا

بہت دیر آشنا هے اے جبین شوق ناز اسکا

کہاں هے اسکا کوچه کون هے وه کیا خبر قاصد

پر اتنا جانتا هوں نام هے عاشق نواز اسکا

تابوت پہ میرے آئے جو وہ مٹي میں ملایا یوں کہکر
پھیلا دیئے دست و پا تو نے اتنے ھي میں بس جي چھوٹ گیا
نازک تھا بہت ھي دل میرا اے شاد تحمّل ھو نہ سکا
اک ٹھیس لگي تھي یوں ھي سي کیا جلد یہ شیشہ ٹوٹ گیا

آدمي لذت فاني سے ھم آغوش رھا
ھوش رکھتا تھا پر افسوس بے ھوش رھا
مدّت العمر پہ مُشتاق نگاھیں جو ملیں
میں جدا یار جدا بزم میں مدھوش رھا
درد و صافي کا لحاظ آفت جاں تھا ساقي
واے ان بادہ کشوں پر جنھیں یہ ھوش رھا
لڑکھڑا کر جو گرا پاؤں پہ ساقي کے گرا
اپني مستي کے تصدّق کہ مجھے ھوش رھا
آخري جام میں کیا بات تھي ایسي ساقي
ھوگیا پیکے جو خاموش وہ خاموش رھا
صدقے اس بزم مقدّس کے جہاں راتوں کو
ذکر بدمستي یاران قدح نوش رھا

موج فنا مٹا نہ دے نام و نشاں وجود کا
دیکھ حُباب کي طرح شوق نکر نمود کا

نازکر اے جبیں شوق طالع ارجمند پر
سنگ درِ نیاز پر نقش رہا سجود کا

اب تو امید ہے نہ یاس جي میں ہراس ہے نہ شوق
دل نے خیال اُٹھا دیا اپنے زیان و سود کا

دے کے تہي سبو مجھے صبر کا حوصلہ دیا
جسکي طلب تھي ساقیا اُس سے کہیں سوا دیا

کچھ نہ کھلا کہ ہے پسند کیوں اُسے بے تعلقي
جس نے تعلقات میں دل کو مرے پھنسا دیا

درد شب فراق کا میں نہ اُٹھا سکا مزا
تو نے تھپک کے اے اجل جلد مجھے سلا دیا

اب نہ پلٹ کے آئیگي عمر عزیز شاد حیف
دولت لازوال تھي تو نے جسے گنوا دیا

نالوں کي کشاکش سہہ نہ سکا خود تار نفس بھي ٹوٹ گیا
اک عمر سے تھي تکلیف جسے کل شب کو وہ قیدي چھوٹ گیا

کودے غوّاص و آشنا سارے
تا بمقدور دست و پا مارے
کھینچ کے کوفت سب ہوے بیتاب
نہ لگا ہاتھہ وہ دُر نایاب
جا ہم‌آغوش مردہ یار ہوئي
تہ میں دریا کے همکنار ہوئي

انتخاب از کلام شاد عظیم آبادي

اب بھي اک عمر پہ جینے کا نہ انداز آیا
زندگي چھوڑدے پیچھا مرا ' میں باز آیا
یاد نے اُس نگہ ناز کے ماري برچھي
پاس اپنے جو نیا کوئي فسوں ساز آیا
دل جو گھبرائے قفس میں تو ذرا پر کھولوں
زور اتنا بھي نہ اے حسرت پرواز آیا
بے انیس اب چمن نظم ہے ویراں اے شاد
اب تک ایسا نہ کوئي زمزمہ پرداز آیا

لیجہ کیا نطمہ کسکو کہتے ہیں

گھر میں ہم نام سنتے رہتے ہیں

مکر میں گرچہ دایہ تھی کامل

لیکہ تہ سے سخن کے تھي غافل

یہ نہ سمجھي کہ ہے فریب عشق

ہے یہ مہ پارہ نا شکیب عشق

بیچ دریا کے جا کہا یہ حرف

یاں ہوا تھا وہ ماجراے شگرف

یاں وہ بیٹھا حباب کے مانند

پھر نتھا سراب کے مانند

سنتے ہي کہاں کہاں کرکر

گر پڑے قصد ترک جان کرکر

موج ہر یک کمند شوق تھي آہ

لپٹي اسکو برنگ مار سیاہ

دام گستر وہ عشق تھا تہ آب

جسکے حلقہ تمام تھے گرداب

کشش عشق آخر اس مہ کو

لیگئي کھینچتے ہولے تہ کو

جُذب سے اپنے جب کرے ھے کام

عاشق مردہ سے بھي لے ھے کام

صبح گاھاں وہ غیرت خورشید

اس جگہہ سے رواں ھوئي نومید

پھونچے نصف النھار دریا پر

روئي بےاختیار دریا پر

حد سے افزوں جو بیقرار ھوئي

دایہ کشتي میں لے سوار ھوئي

حرف زن یوں ھوئي کہ اے دایہ

یاں گرا تھا کہاں وہ کم مایہ

موج سے تھا کدھر کو ھم آغوش

تھا تلاطُم سے کسطرف ھمدوش

تجھکو آیا نظر کہاں آکر

پھر جو ڈوبا تو کس جگہہ جاکر

مجھکو دیجو نشاں اس جا کا

میں بھي دیکھوں خروش دریا کا

ھوں میں نا آشناے سیر آب

ناشناساے موجۂ دگر داب

گاہ باشد کہ دل مرادا ہو
ورنہ کیا جانے کہ پھر کیا ہو
دایہ بولے کہ اے سراپا ناز
حسن کا درپہ تیرے روے نیاز
ابتو میں فتنے کو سلایا آئي
اس بلا کے تئیں بٹھایا آئي
کون مانع ہے گھر کے چلنے کا
سد رہ کون ہے نکلنے کا
ہو محافے میں دل خوشي سے سوار
شاد شاداں کر آب سے تو گزار
دل سے اپنے پدر کے غم کم کر
مادر مہرباں کو خُرّم کر
کر ملاقات ہمدموں سے تو
گرم بازي ہو محرموں سے تو
یہ نہ سوچي کہ بد بلا ہے عشق
گھات میں اپني لگ رہا ہے عشق
جس کسو سے یہ پیار رکھتا ہے
عاقبت اسکو مار رکھتا ہے

تھے جو ھنگامے اسکے حد سے زیاد

ساتھ اُسکے گئے وہ شور و فساد

شور فتنے تھے اُس تلک سارے

ابتو بدنامیاں نہیں بارے

دل تڑپتا ھے متصل میرا

مرغ بسمل ھے اب تو دل میرا

وحشت طبع ابتو افزوں ھے

حال جي کا مرے دگرگوں ھے

بیدماغي کمال هوتي ھے

جان تن کي وبال هوتي ھے

دل کوئي دم کو خون ھوے کا

آج کل میں جنون ھوے کا

بیکلي جي کو تاب دیتي ھے

طاقت دل جواب دیتي ھے

جي میں آتا ھے ھوں بیاباني

پرکہوں ھوں کہ ھے یہ ناداني

مصلحت ھے کہ مجھکو لیچل گھر

ایک دو دم رھینگے دریا پر

دایۂ حیلہ گر ہوئی دلشاد

وان سے کشتی چلی برنگ باد

خار خار دلی سے فارغ ہو

لیگئی پار اُس گل نو کو

یہ نہ سمجھی کہ عشق آفت ہے

فتنہ سازی میں اک قیامت ہے

خاک ہو کیوں نہ عاشق بیدل

کام سے اپنے یہ نہیں غافل

وصل جیتے نہو میرا گر

لاوے معشوق کو یہ تربت پر

یہاں سے عاشق اگر گئے ناشاد

خاک خوباں بھی ان نے کی برباد

قصہ کوتاہ بعد ایک ہفتہ

آئی وہ رشک مہ زخود رفتہ

کہنے لگی کہ اب تو اے دایہ

ہو گیا غرق وہ فرو مایہ

ابتودہ تنگ درمیاں سے کیا

آرزومند اس جہاں سے گیا

جي اگر تها عزيز اے ناکام

کيوں عبث عشق کو کيا بدنام

سنکے يه حرف دايۀ مکار

دل سے اسکے گيا شکيب و قرار

بے خبر کار عشق کي ته سے

جست کي اُن نے اپني جاگه سے

تها سفينے ميں يا که دريا ميں

موج زنجير هوگئي پا ميں

کهچ گيا قعر گويا گوهر ناب

تهي کشش عشق کي مگر ته آب

کهتے هيں ڈوبتے اچهلتے هيں

ڈوبے ايسے کهيں نکلتے هيں

ڈوبے جوياں کهيں وه جا نکلے

غرق درياے عشق کيا نکلے

عشق نے آه کهو ديا اسکو

آخر آخر ڈبو ديا اسکو

جبکه دريا ميں ڈوب کر وه جوان

کهو گيا گوهر گرامي جان

اس شیفتے مین جلد جا پہونچا
یہ بھي وان ساتھ هي لگا پہونچا

بیچ دریا کے دایہ نے جا کر
کفش اس گل کي اسکو دکھا کر

پھینکے پاني کي سطح پر ایکبار
اور بولے کہ او جگر افگار

حیف تیري نگار کي پاپوش
موج دریا سے هووے هم آغوش

غیرت عشق هے تو لا اُسکو
چھوڑ مت یون برهنہ پا اُسکو

اُسطرف آب کے اوترنا هے
اس نواحي کي سیر کرنا هے

پانؤن اُسکے جو هیں نگار آلود
ظلم هے هووین گر غبار آلود

جس کف پا کو رنگ گل هو بار
منصفی هے کہ خار سے هو فگار

یہ روا هے تو اپنے حال پہ رو
مفت ناموس عشق کو مت کھو

دیکر اسکو فریب ساتھہ لیا
دلِ عاشق کو اپنے ہاتھہ لیا

لیک درپردہ اُن کے یہ ٹھاني
کیجئے اس سے خصمي جاني

یہ تو دل تفتہ محبت تھا
سخت وارفتۂ محبت تھا

وقت نزدیک تھا جو آپھونچا
تا سر آب پابپا پھونچا

آب کیا کہ بحر تھا ذخّار
تند و مواج و تیرہ و تہ‌دار

موج کا ہر کنایہ طوفان پر
مارے چشمک حباب عمّان پر

ہمکنار بلا ہراک گرداب
لجہ سرمایہ بخش تیرہ سحاب

کشتي اک آن کر ہوئي موجود
ہو فلک سے ہلال جیسے نمود

کي کنارے پہ لا کے استادہ
تھا معافہ رکوب آمادہ

بستر خواب پر تجھے آرام

مجکو خمیازہ کھینچے سے ھے کام

اب تغافل نہ کر تلطّف کر

حال پر میرے تک تاسّف کر

گوش زد دایہ کے ھوے یہ سخن

تھی وہ اُستاد کار حیلہ و فن

پاس اُسکو بلا تسلي کي

وعدہء وصل سے تشفي دي

کہ اے ستم دیدۂ غم دوري

ھو چکا اب زمان مہجوري

زار نالے نہ کر شکیبا ھو

عشق کا راز تا نہ رسوا ھو

سخت دل تنگ تھي یہ غیرت ماہ

قطع تجھہ بن نہو سکے تھي راہ

گرچہ یہ حسن اتفاق سے ھے

اُسکي بھي جذب اشتیاق سے ھے

ترے آنے سے دل کشادہ ھوا

تشنۂ دوستي زیادہ ھوا

اضطراب دلي نے زور کيا
ان نے بے اختيار شور کيا
دل کے غم کو زبان پر لايا
آفت تازہ جان پر لايا
کاے جفا پيشه و تغافل کيش
اک نظر سے زبان نہيں کچھہ بيش
منہہ چھپايا هے تونے اسيپر بهي
نگه التفات ايدهر بهي
صبر کس کس بلا سے کرگذرون
چارۂ اس بن نہيں که مر گذرون
هے تونزديک دل سے اے طناز
ليکه تجهہ تک سفر هے دور دراز
نازنے يک نفس نه رخصت دي
آئينے نے تجهے نه فرصت دي
تو تو وان زلف کو بنايا کي
جان يان پيچ وتاب کهايا کي
تجهکو مدّ نظر تهي اپني چال
مين ستمکش هوا کيا پامال

گھر سے باہر معانہ جب نکلا

اس جوان پاس ہوکے تب نکلا

طپش دل سے ہو کے یہ آگاہ

ہو لیا ساتھ اسکے بھر کر آہ

واں کے رہنے سے اسکو کام نہ تھا

وہ گلی اسکا کچھ مقام نہ تھا

جس سے جی کو کمال ہو الفت

جس سے دلکی درست ہو نسبت

جُنبش اسکی پلک کر گردان ہو

دل میں یہاں کاوش نمایاں ہو

واں اگر پاؤں میں لگے ہے خار

دل سے یاں سر نکالی ہے یکبار

دست افشاں وہ پاے کوباں یہ

تھا معانے کے ساتھ گرم رہ

ہر قدم تھا زبان پر جاری

خواب ہے یہ کہ ہے یہ بیداری

ہمسری اسکی تھی مُیسر کب

ہے مجھے بخت واژگونسے عجب

دیکھ کر اسکو بیخورد بیخواب

جانا ھراک نے عاشق بیتاب

منھ پر اسکے جو رنگ خون نہیں

عشق ھے اسکو یہ جنوں نہیں

ھے نگہ اسکي جس طرف مائل

اسطرف ھي گیا ھے اسکا دل

جب ھوا ذکر اقلّ واکثر میں

چاہ ثابت ھوئي اسے گھر میں

عشق بے پردہ جب فسانہ ھوا

مُضطَرب کد خداے خانہ ھوا

گھر میں جا بھر دفع رسوائي

بیٹھ کر مشورت یہ ٹھہرائي

یاں سے یہ غیرت مہ تاباں

جاکے چندے کہیں رھے پنہاں

شب مُعافے میں اسکو کرکے سوار

ساتھ دي ایک دایۂ غدّار

گھر تھا اک آشنا کا مدّ نگاہ

واں ھو روپوش تا یہ غیرت ماہ

سنگباران سے سخت ہوں دلتنگ
شیشۂ دل نہیں ہے پارۂ سنگ

محرم یک نگاہ بیش نہیں
کم ہے سینے میں جا کہ ریش نہیں

کیونکہ کہیے کہ تو نہیں آگاہ
اک قیامت بپا ہے یاں سرِ راہ

کچھ چھپا تو نہیں رہا یہ راز
اک جہاں اس سے ہے خبر پرواز

بس تغافُل ہوا ترحم کر
گوش دل جانب تظلّم کر

کون کہتا ہے رہ نہ محو ناز
پر نہ اتنا کہ جیسے جائے نیاز

اُن بلاؤں پہ اُن نے صبر کیا
اختیار اپنے جی پہ جبر کیا

اس طرف کا نہ دیکھنا چھوڑا
اسکے اندوہ سے نہ منھ موڑا

اور یہ ماجرا ہوا مشہور
شور سوائیون کا پہونچا دور

نام کو بھي ترے نجانا آہ
تجھسے کیونکر سخن کي نکلي راہ
ناامیدانہ گر کروں ہوں نگاہ
دیکھتا ہوں ہزار روز سیاہ
سخت مشکل ہے سخت ہے بیداد
ایک میں خون گرفتہ سو جلّاد
کوئي مُشفق نہیں کہ ہووے شفیق
بیکسي بن نہیں ہے کوئي رفیق
نالہ ہوتا ہے کہ کہے دل جو
گریہ آنسو سے پونچھتا ہے کبھو
آہ جو ہمدمي سے کرتي ہے
ابتو وہ بھي کمي سي کرتي ہے
چشم رکھتا ہے وصل کي یہ دل
جي ہے اس سے اسیر آب وگل
ورنہ ترکیب یہ کہاں ہوتي
صورت اک معني نہاں ہوتي
اب ٹھہرتا نہیں ہے پاے ثبات
ایک میں اور کتنے تصدیعات

محو تھا اُسکے یہ خیال کے بیچ

تھا گرفتار اپنے حال کے بیچ

ایکدم آہ سرد بھر اوٹھتا

نالۂ گرم گاہ کر اوٹھتا

جي مین کھتا کہ آہ مشکل ھے

اسطرف یک نگاہ مشکل ھے

دوست کو میرے نام سے ھے تنگ

دشمنون سے ھے جي پہ عرصہ تنگ

چشم تر سے لھو بھا کرتا

صبح کے باد سے کھا کرتا

کاے نسیم سحر یہ اُس سے کہہ

مست تغافل کر اور عاقل رہ

اُن بلاؤن میں کوئي کیونکہ جیے

جان پر اُبني ھے تیرے لیے

جان دون تیرے واسطے سوتو

آنکھ اُٹھاکر ادھر نہ دیکھے کبھو

رفتہ رفتہ ھوا ھون سودائي

دور پھونچي ھے میري رسوائي

کیا گنہ تھا کہ یہ جوان مارا
کن نے مارا اُسے کہاں مارا
ہووے یہ خون خفتہ گر بیدار
کھینچے ہو وے خفت بسیار
لیجے ایک ڈھب سے اسکو تنگ
تا نہ عاید ہو اپنی جانب تنگ
تہمت خبط رکھے اُسکے سر
کیجے سنگسار اُسکو پھر
دیکے دیوانہ اُس جوان کو قرار
ہوگئے سارے درپئے آزار
ایک نے سخت کہہ کے تنگ کیا
ایک نے آکے زیر سنگ کیا
ایک آیا تو ہاتھ میں شمشیر
ایک بولا کہ اب ہے کیا تاخیر
کی اشارت کہ کودکان شہر
آئے لبریز غصہ و پر قہر
گرچہ ہنگامہ اُسکے سر پر تھا
لیک روے دل اُسکا اُدھر تھا

بستر خاک پر گرا وہ زار
درد کا گھر ہوا دل بیمار
جا کے اُسکے قریب در بیٹھا
قصد مرنے کا اپنے کر بیٹھا
دل نہ سمجھا کہ اضطراب کیا
شوق نے کام کو خراب کیا
جو کہ سمجھے تھے اُسکو دیوانہ
رحم کرتے تھے آشنایانہ
عاشق اُسکو کسو کا جان گئے
سب برا اس ادا سے مان گئے
کیونکہ باہم معاش تھي سبکي
ایک جا بودوباش تھي سبکي
وارث اُسکے بھي بدگمان ہوے
درپے دشمني جان ہوے
مشورت تھي کہ مار ھي ڈالیں
دفعۃً اُس بلا کے تئیں ٹالیں
پھر یہ ٹھري کہ ہونگے ہم بدنام
سنکے آخر کہیں گے خاص و عام

پڑ گئي اُسپہ اک نظر اسکي
پھر نہ آئي اُسے خبر اُسکي
تھي نظر يا کہ جي کي آفت تھي
وہ نظر بھي وداع طاقت تھي
هوش جاتا رها نگاه کے ساتھہ
صبر رخصت هوا اک آه کے ساتھہ
بيقراري نے کچھ ادائي کي
تاب و طاقت نے بيوفائي کي
منھہ جو اُسکا طرف سے اُسکے پھرا
مضطرب هوکے خاک پر يہ گرا
جھاڑ دامن کے تئين وه مه پاره
اُٹھہ گئي سامنے سے يکباره
وه گئي اُسکے سر بلا آئي
خاک ميں مل گئي وه رعنائي
هاتھہ جانے لگا گريبان تک
چاک پہنچے پانؤں دامان تک
طبع نے اک جنون کيا پيدا
اشک نے رنگ خون کيا پيدا

سر میں تھا شوق دل میں تھا

عشق ھي اُسکے آب و گل میں تھا

الغرض وہ جوان خوش اسلوب

نا شکیبا رہا تھا بے محبوب

ایک دن بیکلي سے گھبرایا

سیر کرنے کو باغ میں آیا

کسو گل پاس وہ صنم ٹھہرا

کھیں سبزے میں ایکدم ٹھہرا

اک خیابان میں سے ھو نکلا

ایک سائے تلے سے رو نکلا

نہ تسلي ھوا دل بیتاب

نہ تھما چشم تر سے خون تاب

دیکھ گلشن کو نا امیدانہ

منھہ کیا اُن نے جانب خانہ

ناگہ اک کوچہ سے گذار ھوا

آفت تازہ سے دوچار ھوا

ایک غرفے سے ایک مہ پارہ

تھي طرف اُسکے گرم نظارہ

آغاز قصۂ جانگدار

ایک جا اک جوان رعنا تھا
لالہ رخسار سرو بالا تھا
عشق رکھتا تھا اُسکی چھاتی گرم
دل وہ رکھتا تھا موم سے بھي نرم
شوق تھا اسکو صورت خوش سے
اُنس رکھتا تھا وضع دلکش سے
تھا طرحدار آپ بھي لیکن
رہ نہ سکتا تھا اچھي صورت بن
کوئي ترکیب اگر نظر آتي
صورت حال اور ہوجاتي
دیکھتا گر وہ کوئي خوش پرکار
رہتا خمیازہ کش ہي لیل و نہار
زلف ہوتي کسوکي گر برہم
دیکھتے اسکے حال کو درہم
دیکھتا گر کہیں وہ چشم سیاہ
دل سے بے اختیار کرتا آہ

منتخب از کلیات میر

مثنوی دریای عشق

عشق ہے تازہ کار تازہ خیال
ہر جگہ اسکی اک نئی ہے چال
دل میں جاکر کہیں تو درد ہوا
کہیں سینے میں آہ سرد ہوا
کہیں آنکھوں سے خون ہوکے بہا
کہیں سر میں جنوں ہوکے رہا
کہیں باعث ہے دل کی تنگی کا
کہیں موجب شکستہ رنگی کا
طور پر جاکے شعلہ پیشہ رہا
بستیوں میں شرار تیشہ رہا
کہیں شیون ہے اہل ماتم کا
کہیں نوحہ ہے جان پر غم کا

یہ شب گزشتہ دیکھا وہ خفا سے کچھ ہیں گویا

کہیں حق کرے کہ ہووے یہ ہمارا خواب الٹا

یہ عجیب ماجرا ہے کہ بروز عید قرباں

وہی ذبح بھی کرے ہے وہی لے ثواب الٹا

مجھے چھیڑنے کو ساقی نے دیا جو جام الٹا

تو کیا بہک کے میں نے اسے اک سلام الٹا

یہ بلا دھواں نشہ ہے مجھے اس گھڑی تو ساقی

کہ نظر پڑے ہے سارا در و صحن و بام الٹا

بڑھوں اس گلی سے کیونکر کہ وہاں تو میرے دل کو

کوئی کھینچتا ہے ایسا کہ پڑے ہے گام الٹا

مجھے کیوں نہ مار ڈالے تری زلف الٹ کے کافر

کہ سکھا رکھا ہے تونے اسے لفظ رام الٹا

فقط اس لفافہ پر ہے کہ خط آشنا کو پہنچے

تو لکھا ہے اس نے انشا یہ ترا ہی نام الٹا

دیوار پھاند نے میں دیکھوگے کام میرا

جب دھم سے آکہونگا صاحب سلام میرا

جو کچھہ کہ عرض کی ہے سو کر دکھاونگا میں

واھی نہ آپ سمجھیں یونہیں کلام میرا

اچھا مجھے ستاؤ جتنا کہ چاھو' میں بھی

سمجھونگا گر ہے انشاء اللہ نام میرا

پوچھا کسی نے مجھکو ان سے کہ کون ہے یہ

تو بولے ھنس کے یہ بھی ہے ایک غلام میرا

محشر کی تشنگی سے کیا خوف سید انشا

کوثر کا جام دیگا مجھکو امام میرا

مجھے کیوں نہ آئے ساقی نظر آفتاب الٹا

کہ پڑا ہے آج خم میں قدح شراب الٹا

عجب الٹے ملک کے ھیں اجی آپ بھی کہ تم سے

کبھی بات کی جو سیدھی تو ملا جواب الٹا

چلے تھے حرم کو رہ میں ھوئے اک صنم پہ عاشق

نہ ھوا ثواب حاصل یہ ملا عذاب الٹا

خیال کیجئے کیا آج کام میں نے کیا
جب اس نے دي مجھے گالي سلام میں نے کیا

کہا یہ صبر نے دل سے کہ لو خدا حافظ
کہ حق بندگي اپنا تمام میں نے کیا

جنوں یہ آپ کي دولت ہوا نصیب تجھے
کہ ننگ و نام کو چھوڑا یہ نام میں نے کیا

جھڑک کے کہنے لگے' لگ چلے بہت اب تم
کبھي جو بھولکے ان سے کلام میں نے کیا

تمہارے واسطے تم اپنے دل میں غور کرو
کبھي کسي سے نہو جو مدام میں نے کیا

مقیم کعبۂ دل جب ہوا تو زاهد کو
روانہ جانب بیت الحرام میں نے کیا

مزا یہ دیکھئے کا شیخ جي رکے الٹے
جو انکا بزم میں کل احترام میں نے کیا

ہوس یہ رهگئي صاحب نے یہ کبھي نہ کہا
کہ آج سے تجھے انشا غلام میں نے کیا

جگر کي آگ بجھے جس سے جلد وہ شي لا

لگا کے برف میں ساقي صراحي مے لا

نکل کے وادي وحشت سے دیکھہ اے مجنوں

کہ زور دھوم سے آتا ہے ناقۂ لیلا

گرا جو ھاتھہ سے فرھاد کے کہیں تیشہ

درون کوہ سے نکلي صداے واویلا

نزاکت اس گل رعنا کي دیکھیو انشا

نسیم صبح جو چھو جائے رنگ ھو میلا

جھڑکي سہي ادا سہي چین جبیں سہي

یہ سب سہي پر ایک نہیں کي نہیں سہي

گر نازنیں کہے سے برا مانتے ھیں آپ

میري طرف تو دیکھئے میں نازنیں سہي

منظور دوستي جو تمھیں ہے ھر ایک سے

اچھا تو کیا مضائقہ انشا سے کیں سہي

غزلیات انشا

کمر باندھے ہوئے چلنے یاں سب یار بیٹھے ہیں
بہت آگے گئے باقي جو ہیں تیار بیٹھے ہیں

نہ چھیڑ اے نگہت باد بہاري راہ لگ اپني
تجھے اٹھکھیلیاں سوجھي ہیں ہم بیزار بیٹھے ہیں

تصور عرش پر ہے اور سر ہے پاے ساقي پر
غرض کچھہ زور دھن میں اس گھڑي میخوار بیٹھے ہیں

بسان نقش پاے رہروان کوئے تمنا میں
نہیں اٹھنے کي طاقت کیا کریں لاچار بیٹھے ہیں

یہ اپني چال ہے افتادگي سے اب کہ پہروں تک
نظر آیا جہاں پر سایۂ دیوار بیٹھے ہیں

کہاں صبر و تحمل آہ ننگ و نام کیا شي ہے
میاں رو پیٹ کر ان سب کو ہم یکبار بیٹھے ہیں

بھلا گردش فلک کي چین دیتي ہے کسے انشا
غنیمت ہے کہ ہم صورت یہاں دو چار بیٹھے ہیں

ہنگامۂ محشر کي بھي کچھہ تمکو خبر ہے
دوزخ ترا مسکن ہے تو جنت میرا گھر ہے
کیا غم ہے جو لاشے پہ نہ بھائي نہ پسر ہے
زانوے مبارک پہ علي کے مرا سر ہے
توقیر شہیدونمیں مجھے آج ملیگي
جب نیزے پہ سر ہوگا تو معراج ملیگي

غش ہو گیا یہ کہکے جو حر جگر افکار
سر کاٹ لو اسکا یہ پکارا وہ ستمگار
جلاد بڑھے تھے کہ ہوا شور یہ ایکبار
بھاگو کہ حسین آتے ہیں کھینچے ہوے تلوار
اوتھنے کي نہیں ضرب ولي ابن ولي کي
دیکھو کہیں بجلي نہ گرے تیغ علي کي

آمد جو سني شیر کي پسپا ہوے روباہ
لاشے پہ گیا راحت جان اسد اللہ
ریتي پہ تڑپتا تھا وہ حضرت کا ہوا خواہ
مہمان سے لپٹ کر یہ پکارے شہ ذیجاہ
ٹکڑے ہے بدن زخم عجب کھائے ہیں بھائي
لے ہوش میں آ لاش پہ ہم آئے ہیں بھائي

گردنکو اوٹھا کر یہ پکارا ھر دیندار
کیا ھرزہ درائي ھے یہ او ظالم غدّار
پاس آکے سخن کر تو سنوں میں تري گفتار
زخمي ھوں مگر ھاتھ سے چھوٹتي نہیں تلوار

بڑھتا نہیں یہ خوف و خطر طاري ھے تجھپر
مرتا ھوں یہ مردہ بھي بھاري ھے تجھپر

رتبہ جو ملا ھے مجھے تو کیا اسے جانے
خود کور ھے آنکھیں تجھے کب دي ھیں خدا نے
گھیرا ھے مجھے رحمت رب دوسرا نے
پہلو میں محمد ھیں یدُ اللہ سرھانے

سر عرش پہ انکا ھے جو رتبے میں بڑے ھیں
ھدیے لئے ھاتھوںمیں ملک گرد کھڑے ھیں

مجھسا بھي زمانے میں کوئي ھوتا ھے دانا
اک جو کے برابر تري دنیا کو نہ مانا
نعمت کے مزے دے گیا یہ برچھیاں کھانا
صدقے ھوا اوسپر کہ نبي جس کے ھیں نانا

بینا ھے تو خلعت کو نہ انعام کو دیکھے
عاقل اوسے کہتے ھیں جو انجام کو دیکھے

پیاسا ہو تو پانی تجھے کوثر کا پلائیں
بھوکا ہے تو فردوس کے میوے ابھی آئیں
مشتاق ہو گر اونکا تو حوروںکو بلائیں
جو باغ تجھے حق نے دیا ہے وہ دکھائیں
یہ ہاتھ کہیں بند نہیں عقد کشا ہیں
جس درد کا درمان نہیں ہم اسکی دوا ہیں
اعدانے ادھر فتح کے باجے جو بجائے
نکلا پسر سعد لعیں چتر لگائے
یہ دور سے حر کو سخن طنز سنائے
کیوں ترک رفاقت کے مزے خوب اٹھائے
اسوقت کوئي آکے حمایت نہیں کرتا
جاہل بھي کوئي ایسي حماقت نہیں کرتا
افسوس صد افسوس عبث جان گنوائي
اب رونے کو لاشے پہ نہ بیٹا ہے نہ بھائي
بتلا مجھے وہ کونسي دولت ہے جو پائي
مہماني میں تلوار پہ تلوار تو کھائي
ہاں مرتبہ اوسوقت شہیدونمیں بڑھیگا
جب نوک سناں پر ترا سر کٹ کے چڑھیگا

جب تک کہ جري پاؤں رکابوں سے نکالے
مہمان کے سینے پہ کئي چل گئے بھالے
خود سنبھلے کے گرتے ہوئے گھوڑے کو سنبھالے
مرکب سے جو کودا تو بڑھے برچھیوں والے
دیکھا جو فرس نے میرا مالک نہیں زین پر
الله ري وفا مرگیا گرتے ھي زمیں پر

روتا تھا وفاداري مرکب پہ یہ صفدر
جو فرق پہ پیچھے سے پڑا گرز گراں سر
حضرت کو پکارا وہ جري خاک اوڑا کر
مہمان کي خبر لیجئے یا سبط پیمبر
خادم نہیں بھائي نہیں پیارا نہیں میرا
مولا کے سوا کوئي سہارا نہیں میرا

آواز علي آئي کہ اے حر دلاور
تیار ھے فردوس معلی میں تیرا گھر
بالیں پہ ترے میں توھوں شپیر نہیں گر
سر رکھ لے کہ زانو مرا حاضر ھے برادر
میں پاس ھوں پھر کسلئے گھبراتا ھے بھائي
روتا ھوا صاحب بھي ترا آتا ھے بھائي

کہکر یہ سخن قلب میں لشکر کے در آیا
سمٹا ہوا لشکر تہ و بالا نظر آیا
رہوار تڑپ کر ادھر آیا اودھر آیا
مضطر ہوے سب ایک نہ صفدر سے بر آیا

باندھے تھے کمر شمر و عمر خیرہ سری پر
بوچھار ہوئی دور سے تیروں کی جری پر

پیہم جو لگے تیر فرس بنگیا طاؤس
دم بھر میں لہو ہو گیا جرار کا ملبوس
سینہ ہے کہ تودا ہے نہ ہوتا تھا یہ محسوس
غش آنے لگے شیر ہوا جنگ سے مایوس

رخ زرد تھا گلزار تھی پوشاک لہو سے
فوارۂ خون چھوٹتے تھے ہر بن مو سے

اس حال میں بھی رکتی نہ تھی شیر کی تلوار
جو آگیا زد پر اوسے بھیجا طرف نار
پے کردیا گھوڑے کو جفا کاروں نے اکبار
مجروح سے اب گیا ہو فرس ہوگیا بیکار

جب وقت برابر ہوا پھر ٹل نہیں سکتا
گھوڑے کا اشارا تھا کہ اب چل نہیں سکتا

آواز یہ دي حر نے کہ اے ظالم غدار
غیرت ھے تو آ سامنے تو چھیڑ کے تلوار
بتلا انھیں انداز وغا کھینچ کے تلوار
کیوں صورت روباہ دبکتا ھے جفاکار

تو دشمن لخت جگر شیر خدا ھے
اُس صف سے نکل کر جو اِدھر آ تو مزا ھے

بندہ ھوں میں انکا کہ جو شیروں سے لڑے ھیں
پتھر پہ نشاں دین کے لشکر کے گڑے ھیں
لوھے کے وہ مانے ھیں بہادر جو بڑے ھیں
سکے اسد اللہ کي ضربت کے پڑے ھیں

شمشیر شہ قلعہ شکن ھے اسي گھر میں
اُس ضرب کے سکے کا چلن ھے اسي گھر میں

وہ قلب ھے جس قلب میں بغض اُنکا بھرا ھے
ٹکسال سے باھر ھے سقي دوسرا ھے
ھر طرح پرکھ لیگا جسے فہم ذرا ھے
کھوٹا ھے سو کھوٹا ھے کھرا ھے سو کھرا ھے

بازار کے دن کوئي نہ فریاد سنے گا
وہ سامنے مالک کے جہنم میں بھنے گا

رھوار کي وہ چال وہ تلوار کا چلنا
بھاگڑ وہ پیادوں کي صفوں کا وہ کچلنا
غصے میں وہ شبدیز کي آنکھوں کا اُبلنا
کف منھہ سے گراکر وہ کنوتي کا بدلنا

مارا تھا قدم اوسنے شجاعت کے چلن پر
یوں گھوڑے پہ جاتا تھا اسد جیسے ھرن پر

لڑنے میں سمجھتا تھا فرس دل کا اشارہ
رھوار نے کچلا اوسے حر نے جسے مارا
وہ جست وہ چھل بل وہ ڈپٹ اور وہ طرارا
مڑنے میں نظر شوخ کي اوڑنے میں چکارا

ایسا تو سبک رو فرس برق سفر ھو
پتلي پہ ھو پتلي تو نہ آنکھوں کو خبر ھو

کھانے لگي گھونگھٹ جو سپاہ ستم آرا
بڑھکر عمر سعد جوانوں کو پکارا
جاتے ھو کہاں چھوڑ کے دریا کا کنارا
گھیروا سے نیزوں میں یہ دشمن ہے ھمارا

دو لاکھہ جوان ایک کا سر لا نہیں سکتے
ھاں نیزے لگاؤ جو قریں جا نہیں سکتے

جو دشمن دین تھا اُسے پہچانتی تھی وہ
مغفر کو حباب لب جو جانتی تھی وہ
چار آئینہ و خود کو کب مانتی تھی وہ
ہر وار میں جوشن کا جگر چھانتی تھی وہ

اژدر تھا کہ تلوار تھی دم تھا کہ ستم تھا
تابیں تھیں کہ گھر موت کا پانی تھا کہ سم تھا

بے حال عدو ہول کے مارے نظر آئے
جو گھاٹ پہ تھے گور کنارے نظر آئے
جب سن سے چلی صاف شرارے نظر آئے
جوہر کبھی چمکے تو ستارے نظر آئے

اُس تیغ کا پھل کھا کے عدو خوں میں تپاں تھے
جب سامنے تیغ آگئی سب پھول خزاں تھے

گر حلق کے نزدیک کبھی دل کے برابر
پانی مین اثر زہر ہلاہل کے برابر
رن میں کوئی زخمی کوئی ساحل کے برابر
بسمل بھی نظر آتا تھا بسمل کے برابر

سر پر تھی وہ جبتک کہ عدو راہ عدم لے
کیا دخل جو بے دم لگے دم بھر کہیں دم لے

ہر بار تھا حملہ عمر سعد نحس پر
اڑ جاتا تھا سر تیغ چمک جاتي تھي جس پر
رعب اُسکا نہ چھایا ہوا تھا فوج میں کس پر
بھاگڑ میں یہ گرتا تھا جو اُس پر تو وہ اس پر
سر پاؤں تلے لپٹے تھے بیداد گروں کے
ٹکرانے سے بال اُگئے کاسوں میں سروں کے

غل تھا کہ شجاعت کا دھني کہتے ہیں اسکو
تلوار یہ ہے تیغزني کہتے ہیں اسکو
دل توڑ دئے صف شکني کہتے ہیں اسکو
ششدر رہیں پرے پنجتني کہتے ہیں اسکو
حیدر کے معجزوں میں نیا ڈھنگ ہے اسکا
جو راکب و مرکب ہے وہ چورنگ ہے اسکا

بے سر نظر آیا وہ جسے پاگئي شمشیر
دم بھر میں لہو خاک پہ برسا گئي شمشیر
چمکي تو اُدھر اور ادھر آگئي شمشیر
کیا منہہ تھا کہ فولاد کو بھي کھا گئي شمشیر
سکتہ تھا ہر اک دل پہ عجب ضرب پڑي تھي
پورے کیا اوسکو بھي زرہ لاکھہ کڑي تھي

چلنے سے اگر تیر کوئی جوڑ کے نکلا
انبوہ سے شبدیز کو یہ موڑ کے نکلا
چورنگ کے دو ہاتھ جدھر چھوڑ کے نکلا
جب شیر سا نکلا تو صفیں توڑ کے نکلا
تلوار چمکتی تھی صف لشکر کس پر
گھوڑے کے کہیں پانوں نہ لگتے تھے زمیں پر

لشکر سے جو نکلا وہ قریب آکے نہ ٹھہرا
تلوار کا اک وار کوئی کھاکے نہ ٹھہرا
چھرے پہ سیہ کار سپر لاکے نہ ٹھہرا
نا مرد لڑائی کی جگہ پاکے نہ ٹھہرا
جم جائے جہاں کوہ وہاں کاہ سے کیا ہو
جب شیر کو غیظ آئے تو روباہ سے کیا ہو

کس صف پہ چلی تیغ کہ آفت نہ دکھائی
کس غول پہ چمکی کہ قیامت نہ دکھائی
کس کس کو پری بنکے شرارت نہ دکھائی
جلوہ کیا سو بار پہ صورت نہ دکھائی
پھل اسکا نظر بندی اعدا پہ تلا تھا
اسمیں کوئی پردہ نہیں منھ صاف کھلا تھا

حصۂ نظم

انتخاب از مراثي مير انيس

لاشوں کو اٹھا ليگئے جب قبلۂ عالم
چھيڑا حر جرار نے شبديز صبادم
بھائي کا بھي اندوہ تھا بيٹے کا بھي تھا غم
پر صبر تو ديکھو نہ آنکھيں ہوئيں پر نم
چمکا کے فرس لڑنے لگا فوج گراں سے
مڑ کر بھي نہ ديکھا کہ گيا کون جہاں سے

اللہ رے مہمان شہ ديں کي لڑائي
فرصت نہ سنبھلنے کي خطا کاروں نے پائي
اک برق گري تيغ چمک کر جدھر آئي
برباد کيا پھونک ديا آگ لگائي
پاني ميں وہ آتش تھي کہ گھبرائے تھے اعدا
جلتے ہوئے دوزخ ميں جلے جاتے تھے اعدا

کہدیا ھے ' چہرے کي ساخت سے ان کو دھلي کا شہزادہ کہدو تو کہدو مگر لباس اور وضع قطع سے تو یہ تھیھہ لکھنؤ والے معلوم ہوتے ھیں ۔

سي گوٹ ھوتي ھے ۔ یہ ٹوپي قالب چڑھا کر پہنی جاتی ھے ۔ قالب چڑھکر بس ایسي معلوم ھوتي ھے جیسے ھمایوں کے مقبرے کا گنبد ۔ عام لوگوں میں بڑے گول چندوے کي ٹوپي کا بھي بہت استعمال تھا بعض تو بالکل سادي ھوتي ھیں اور بعض سوزني کے کام کیا فیتے کي کام کي ھوتي ھے ۔ اس ٹوپي کو بھي قالب چڑھا کر پہنتے ھیں ۔

پاجامہ ہے ' جنہوں نے قلعہ کبھی نہیں چھوڑا اُن کے جسم پر وہي
پرانا لباس ہے سر پر چوگوشیہ ٹوپي ' جسم پر نیچي چولي کا
انگرکھا ' اس کے اوپر مخمل کا جامہ وار کي خفتاني ' پاؤں میں
گلبدن یا غلطے کا ایک برکا پاجامہ ' جو لوگ لکھنؤ ہو آئے ہیں
اُنھوں نے دھلي کے لباس کے ساتھہ ڈاڑھي کو بھي خیرباد

ہوئي اور جابجا موتي اور نگینے ٹکے ہوئے - اس قسم کي ٹوپي کٹي
طرح پہني جاتي تھي - قلعہ والے تو پاکھوں کو کھڑا رکھتے ہیں '
باقي لوگ ان کو کسي قدر دبا لیتے ہیں - جو ٹوپي آٹھہ پھل کي
ہوتي ہے اس کے پاکھوں کو اتنا دباتے ہیں کہ گوشے دمے کے باہر
پھیل کر کنول کي شکل بن جاتے ہیں - اس قسم کي ٹوپي ہمیشہ
آڑي پہني جاتي ہے اور وہ بھي اس طرح کہ اس کا ایک کونہ بائیں
بھوں کو دبائے - اس ٹوپي کے علاوہ ارخ چین کي ٹوپي کا بھي بہت
رواج ہے - اس کا بنانا کچھہ مشکل کام نہیں - ایک مستطیل کپڑے کے
کناروں کو سر کے ناپ کے برابر سي لیا - نیچے پتلي سي گوٹ دیدي
اور اوپر کے حصے میں چنٹ دے کر چھوٹا سا گول گذہ لگا دیا -
دھلي کي دو پلڑي ٹوپي اور لکھنؤ کي ٹوپي میں صرف یہ فرق ہے -
کہ یہاں یہ ٹوپي اتني بڑي بناتے تھے کہ سر پر منڈمہ جائے ' برخلاف
اس کے لکھنؤ کي ٹوپي صرف بالوں پر دھري رہتي ہے - ان ٹوپیوں کے
علاوہ بعض بعض لوگ پنج گوشیہ ٹوپي بھي پہنتے ہیں - اس ٹوپي
میں پانچ گوشے ہوتے ہیں - لیکن اس کي کاٹ چوگوشیہ ٹوپي سے
ذرا مختلف ہے - گوشوں کے اوپر کے حصے نوک دار ہوتے ہیں ' بس
سمجھہ لو کہ جیسے فصیل کے کنگرے نیچے دمے کي بجائے پتلي

(آیندہ صفحہ میں)

یہ ہوئي کہ جب سے سلیمان شکوہ اودھ کے دربار میں
رسوخ ہوا خاندان کے کچھ لوگ تو وہیں جارہے ہیں اور کچھ
ایسے ہیں کہ بنارس آتے جاتے رہتے ہیں - جو وہاں جاکر آتا ہے
لباس میں نئي تراش خراش کرتا ہے - اس طرح اس کا لباس
آدھا تیتر آدھا بٹیر ہوکر نہ لکھنؤ کا رہتا ہے نہ دھلي کا - اب جو
لوگ یہاں بیٹھے ہیں ان ھي کو دیکھہ لیجیے جو شاھزادے لکھنؤ
آئے ہیں ان کے سر پر لکھنؤ کي دو پلڑي توپي ہے ' اونچي
چولي کا انگرکھا ہے ' نیچے باریک شربتي ململ کا کرتہ اور تنگ

شہر میں کلاہ تتوی کا بہت استعمال ہے جس کو عام اصطلاح میں
چوگوشیہ توپي کہتے ہیں - یہ بھي کئي وضع کي ہوتي ہیں اور
کئي طرح پہني جاتي ہیں جو توپي شرفا استعمال کرتے ہیں اس کا دمہ
(گوٹ) ذرا نیچا ہوتا ہے دمے کے اوپر چار پاکھے کي وضع بالکل
شاھجہاني محراب کي سي ہوتي ہے چاروں کو اس طرح ملا کرسیتے
ہیں کہ چاروں کونے کمرک (کمرخ) کے نمونے کے ہوجائیں - بعض
لوگوں نے اس میں ذرا جدت بھي کي ہے ' وہ یہ کہ دمے کو اونچا
کرکے پاکھیوں کي لمبان کو چوڑان سے کسي قدر بڑھا دیا ہے اور
ان کے سل جانے کے بعد جو پھل پیدا ہوتے ہیں ان کو پھر کاٹ کر
کلیاں ڈال دي ہیں - اس طرح بجائے چار پھل کے توپي کے آتھہ
پھل کے ہوگئے ہیں خوبصورتي کے لئے دمے کے کناروں پر پتلي لیس
اور گوشوں کے کناروں پر باریک قیطون لگاتے ہیں - بادشاہ سلامت کي
توپي ہوتي تو اسي نمونے کي ہے مگر سلمے ستارے کے کام سے لپي
(آیندہ صفحہ میں)

میں پہچان لئے جاتے ہیں - شہزادے ہوں یا سلاطین زادے سب کی وضع قطع ایک ہی سی ہے - وہی لمبی گردن ' وہی پتلی اونچی ناک ' لمبا کتابی چہرہ ' بڑی بڑی کبوتری آنکھیں ' بڑا دھانہ ' اونچا چوکا ' آنکھوں کے نیچے کی اُبھری ہوئی ہڈیاں ' گہرا سانولا رنگ ' داڑھی کلوں پر ھلکی ' تھوڑی پر زیادہ - غرض جیسی مشابہت ان لوگوں میں ہے - شاید ہی کسی خاندان والوں میں ہوگی امیر تیمور سے لگاکر اس وقت تک ان کی شکل میں کوئی فرق نہیں آیا ہے پہلے تو قلعہ بھر کا ایک ہی لباس تھا - مگر اب کچھ دو رنگی ہوگئی ہے - وجہ

---

(۱) اس مضمون میں جا بجا دھلی والوں کے لباس کا ذکر آیا ہے - مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ذرا وضاحت سے اس لباس کو بتا دوں تا کہ پڑھنے والوں کی آنکھوں کے سامنے اس محفل کا نقشہ اور اچھی طرح پھر جائے - میرزا نوشہ کا تو ذکر جانے ہی دو وہ تو ڈیڑھ اینٹ کی مسجد الگ بناتے ہیں ' ان کی ٹوپی دنیا بھر سے جدا تھی ' نہ تاتاری کھال (خواہ وہ سمور ہو یا برہ) اس طرح لیا جاتا تھا کہ نیچے کا گھیرے اوپر کے چندوے سے ذرا بڑا ہے - اس کے بعد چار کنگرے قائم کرکے کھال کو ٹوپی کی آدھی لمبان تک اس طرح کاٹ لیا کہ ٹوپی گرگج کی شکل بن گئی - بیچ میں چندوے کی جگہ مخمل یا گہرے رنگ کی بانات کنگروں کے کناروں کے کناروں سے ملا کر سی لی ' اندر استر دیدیا - چلو میرزا نوشہ کی ٹوپی ہو گئی -

(آیندہ صفحہ میں)

ان کا مذاق اڑ جاتا تھا - حکیم صاحب علانیہ تو ان کي مدد
کر نہيں سکتے تھے خود ان میں اتني قابلیت نہ تھي جو دلي
والوں کي پھبتیوں کو سنبھال سکتے اس لئے تھوڑي دیرھي دیر
میں ٹھنڈے ھو کر رہ جاتے - مرزا نوشہ اور حکیم مومن خان
پر ھمیشہ منھہ آتے تھے - اسي لئے میرزا نوشہ مولانا صہبائي
کے منھہ سے '' آپ کے دوست '' کا لفظ سن کر مسکرائے اور کہا
'' بھئي میں تو ان کے منھہ کیوں لگنے لگا مگر آج دیکھا جائیگا
' ھر فرعونے را موسی ' سنتا ھوں کہ ھمارے میر صاحب مولوي
ھدھد کي شان میں آج کچھہ فرمانے والے ھیں - ان کے سامنے
اگر یہ '' شہباز سخن '' تک گئے تو میں سمجھوں گا کہ بڑا کام کیا ''
غرض یہ باتیں ھوھي رھي تھیں - کہ استاد ذوق بھي اندر آگئے
تمام قلعہ ان کے ساتھہ آیا تھا - صاحب سلامت کرکے سب اپني
اپني جگہہ بیٹھہ گئے - قلعہ والوں اور ان لوگوں میں جن کا
تعلق قلعہ سے ھے سلام کرنے کا کچھہ عجیب طریقہ ھے - سیدھے
کھڑے ھوکر دایاں ھاتھہ اس طرح کان تک لیجاتے ھیں جس
طرح کوئي نماز کي نیت باندھتا ھے اور پھر چھوڑ دیتے ھیں '
جلو سلام ھو گیا - باقي سب لوگوں سے معمولي طرح سلام کرتے
ھیں - قلعہ والوں کي صورت کچھہ ایسي ھے کہ ایک ھي نظر

ارے بھئی رات تو خاصی آگئی ہے ' ابھی تک میاں ابراهیم نہیں آئے - آخر یہ مشاعرہ شروع کب ہوگا - '' حکیم صاحب کچھ جواب دینے ہی والے تھے کہ دروازے کے پاس '' السّلام علیکم '' کی آواز آئی - مولانا صہبائی نے کہا - '' اے لیجیے میرزا صاحب وہ اُستاد کے نشان کے ساتھی حافظ ویران صاحب آگئے اور وہ آپ کے دوست ہدہد بھی ساتھ ہیں ' دیکھئے آج کس کے چونچ مارتے ہیں '' میاں ہدہد کا نام عبد الرحمن ہے - پورب کے رہنے والے ہیں ' دلی میں آکر حکیم آغا خان عیش کے ہاں ٹھیر گئے ہیں - ان کے بچوں کو پڑھاتے ہیں حکیم صاحب ہی کے مشورے سے ہدہد تخلص اختیار کیا - ان ہی کی تجویز سے چکی ڈاڑھی رکھی ' سر منڈا کر نکو عمامہ باندھا اور اس طرح کھٹ بڑھئی ہوگئے - ان ہی کے ذریعے سے دربار میں پہونچے اور '' طائر الاراکین شہپر الملک ' ہدہد الشعرا منقار جنگ بہادر ' خطابات پائے - شروع شروع میں تو انکے ظریفانہ کلام سے مشاعرہ چمک جاتا تھا ' مگر بعد میں اُنہوں نے اُستادان فن پر حملے شروع کردئے کہتے تو یہ ہیں کہ حکیم صاحب کے اشارہ سے ایسا کیا ' لیکن کچھ بھی ہو ' آخر آخر سب کو ان سے کچھ نفرت سی ہوگئی اور بجائے دوسروں کا مذاق اڑنے کے خود

آداب، کیا فرمانے لگے میاں کریم الدین میں تم کو ایسا نہیں سمجھتا تھا۔ تم نے تو دھلي والوں کو مات کردیا سُبحان اللہ ! سُبحان اللہ ! کیا انتظام ھے ، دیکھکر دل خوش ھوگیا ، خدا تمہیں اس سے زیادہ حوصلہ دے '' میں نے عرض کي '' مولوي صاحب بھلا میں کیا اور میري بِساط کیا ، یہ سب کیا دھرا نواب زین العابدین خان کا ھے '' فرمانے لگے '' بھئي یہ بھي اچھي ھوئي ، وہ کہیں کہ سارا انتظام کریم الدین خان کا ھے ، تم کہو کہ نواب صاحب کا ھے ۔ چلو '' من ترا حاجي بگویم تو مرا حاجي بگو '' ابھي یہ باتیں ھو ھي رھي تھیں کہ میرزا نوشہ پالکي میں سے اُترے نیر ، علائي ، سالک اور حزین اُن کے ھمراہ تھے ۔ میرزا غالب ، مومن خان کي طرف بڑھے ، مصافحہ کیا اور کہا '' بھئي حکیم صاحب آج محمد ناصر خان ، محزون ، کا عظیم آباد سے خط آیا تھا تم کو بہت بہت سلام لکھا ھے ، معلوم نہیں کہ کیوں ایکا ایکي پٹنہ چلے گئے ۔ خواجہ میر درد کے پوتے ھوکر ان کا دھلي کو چھوڑنا ھم کو تو پسند نہیں آیا ، اب یاروں کو روتے ھیں ۔ دیکھنا کیا درد بھرا شعر لکھا ھے ۔

نہ تو نامہ ھے نہ پیغام زباني آیا
آہ محزون مجھے یاران وطن بھول گئے

مدرّس اول ہیں ۔ عجیب باکمال آدمی ہیں ۔ مدرسے میں ان کی
ذات بابرکات سے وہ فیض ہوا ہے کہ شاید ہی کسی زمانے میں کسی
اُستاد سے ہوا ہو ۔ بہت پابند شرع ہیں ' اس لئے خود نہیں کہتے
مگر سمجھتے ایسا ہیں کہ ان کا کسی شعر کی تعریف گویا اس کو
دوام کی سند دینا ہے ۔ کوئی ۶۰ سال کا سن ہے رہنے والے تو
نانوتے کے ہیں مگر مدّتوں سے دھلی میں آرھے ہیں ۔ دن رات پڑھنے
پڑھانے سے کام ہے ۔ مشاعروں میں کم جاتے ہیں ' یہاں شاید مولانا
صہبائی ان کو اپنے ساتھ گھسیٹ لائے ۔ تھوڑے ہی دن ہوئے
بیچارے پابندی شرع اور تقویٰ کی وجہ سے چکر میں آگئے تھے ۔
ہوا یہ کہ رزیڈنٹ بہادر مدرسے کے معائنہ کو آئے ۔ ان کے علم اور
رتبے کے خیال سے ہاتھ ملایا جب تک صاحب بہادر وہاں رہے
اُنہوں نے ہاتھ کو جسم سے اس طرح الگ رکھا جیسے کوئی نجس
چیز کو دور رکھتا ہے ۔ صاحب کے جاتے ہی بہت احتیاط سے ہاتھ
کئی بار دھویا ۔ کسی نے جاکر صاحب سے یہ بات لگادی ۔ اُن کو
بہت غصّہ آیا کہ ہم نے تو ہاتھ ملاکر ان کی عزّت افزائی کی ۔
اُنہوں نے اس طرح ہماری توہین کی ۔ غرض بڑی مشکل سے
یہ معاملہ رفع دفع ہوا ۔

مولوی صاحب میرے بھی استاد تھے ۔ میں بھی آگے بڑھا ۔

'محمد علي تشنه' چم ننگے ' نشے میں چور ' جھومتے جھامتے
اندر آئے - نوجوان آدمي مگر عجیب حال ھے - کبھي برھنه پڑے
پھرتے ھیں ' کبھي کپڑے پہن خاصے بھلے آدمي بنجاتے ھیں -
کسي کے شاگرد نہیں اور پھر سب کے شاگرد ھیں - کبھي حکیم
آغا خان ' عیش ' سے اصلاح لینے لگتے ھیں کبھي اُستاد ذوق کے
پاس اصلاح کے لئے غزل لے آتے ھیں - ذھن بلا کا پایا ھے ' لاکھوں
شعر زبان کي نوک پر ھیں ' شعر سنا اور یاد ھوا - اکثر ایسا بھي
ھوا ھے که کسي غزل سني اور یاد کرلي اور مشاعرے میں خود اپنے
نام سے وہ غزل پڑھ ڈالي اور وہ بیچارا منھ دیکھتا رہ گیا - نواب
صاحب آگے بڑھے ' پوچھا " منشي جي یه کیا رنگ ھے " کہنے لگے
" اصلي رنگ ' مشاعرہ کب شروع ھوتا ھے " نواب صاحب نے کہا
" ابھي شروع ھوتا ھے آپ بیٹھئے تو سہي " خیر ایک کونے میں
جاکر بیٹھ گئے - میاں عارف نے ان پر ایک دوشالا لاکر ڈال دیا -
اُنھوں نے اُٹھاکر پھینک دیا - غرض جس طرح ننگے آئے تھے
اسي طرح بلا تکلف بیٹھے رھے اس کے بعد تو لوگوں کے آنے کا تانتا
بندھ گیا - جو آتا اس کا اِستقبال نواب صاحب کرتے اور لا لاکر
بٹھاتے حکیم مومن خان آئے انکے ساتھ آزاد ' شیفته ' صہبائي
اور مولوي مملوک العلي تھے - مولوي صاحب مدرسهٔ دھلي میں

تک رسائي ہوگئي - اُن کو "حافظ جبو" کہتے تھے ' اس لئے اسی نام سے تمام قلعے میں مشہور تھے - مصرعے پر مصرعہ لگانے میں کمال تھا اور سند ایسے تراخ سے دیتے تھے کہ مُعترض منھ دیکھتے رہ جاتے تھے ایک روز بادشاہ سلامت نے مصرعہ کہا -

"صبح بھي بوسہ تو دیتا مجھے اے ماہ نہیں"

اُنھوں نے فوراً عرض کي -

"نا مناسب ہے میاں وقت سحر گاہ نہیں"

کسي نے "وقت سحر گاہ" کي ترکیب پر اعتراض کیا - اُنھوں نے جھٹ صائب کا یہ شعر پڑھا :-

آدمي پیر چو شد حرص جوان مي گردد
خواب در وقت سحر گاہ گراں مي گردد

اور معترض اپنا سا منھ لیکر رہ گئے -

بڑے دبلے پتلے آدمي تھے ' رنگ بہت کالا تھا شاہ نصیر نے اسي رنگ کا خاکہ اس طرح اڑایا ہے :-

اے خال رخِ یار تجھے ٹھیک بناتا
پر چھوڑ دیا حافظ قرآن سمجھکر

نواب صاحب نے اُن سب کو بھي ساتھ لیا اور اپني اپني جگھ پر لاکر بٹھا دیا ابھي ان کو بٹھانے سے فارغ نہ ہوئے تھے کہ منھي

بھي معلوم نہ ھوں گے اور اب وھي صاحبزادے صاحب ھیں کہ
اُستاد ماننا تو درکنار مجھکو باپ بھي کہتے شرماتے ھیں - ھاں
بھئي کیوں نہ ھو - تیرھویں صدي ھے ان کو بنارس بھیجکر میں
تو مصیبت میں آگیا - " ایک نقصان مایہ دوسرے شماتت
ھمسایہ " بیٹا ھاتھہ سے گیا تو گیا ' دن رات کي کلکل اور مول
لے لي " یہ باتیں کرتے کرتے نواب صاحب نے میاں ' رسا ' کو لے
جاکر ایک جگہ بٹھا دیا - ابھي ان سے فارغ نہ ھوئے تھے کہ
شہزادوں کا ایک گروہ حافظ عبد الرحمن ' احسان ' کو جھرمٹ
میں لئے آپہنچا - بھلا دلي شہر میں کون ھے جو " حافظ جیو " کو نہ
جانتا ھو ' جگت اُستاد ھیں ' پہلے تو قلعے کا قلعہ ان کا شاگرد تھا
مگر اُستاد ذوق کے قلعے میں قدم رکھتے دیکھے ھوئے تھے اور
شاہ نصیر سے ٹکر لڑا چکے تھے ' اس بڑھاپے میں بھي خم ٹھونک
کر سامنے آگئے اور مرتے دم تک مقابلے سے نہ ھٹنا تھا نہ ھٹے -
کوئي ۹۰ برس کي عمر تھي ' کمر دھري ھونے سے قد کمان بن
گیا تھا - اپنے زمانے کے " بلعم باعور " تھے لیکن غزل اس کڑا کے
سے پڑھتے تھے کہ تمام مشاعرے پر چھا جاتے تھے - ان کي استادي کا
سکہ زمانے سے تمام دلي پر بیٹھا ھوا تھا - پہلے میرزا تبلي کے
اُستاد ھوئے ' رفتہ رفتہ شاہ عالم بادشاہ غازي نور اللہ مرقدہ '

نے ان کو بہت دق کیا۔ اول تو اس راز کا ڈھنڈورا پیٹ دیا،
دوسرے ہر تیسرے چوتھے ان سے ایک دو روپئے مارلاتا۔ مگر
اُنہوں نے کبھی "نا" نہیں کی" جب جاتا کچھ نہ کچھ
سلوک ضرور کرتے۔

نواب زین العابدین خان صاحب نے بڑھ کر لب فرش ان کو
لیا اور پوچھا :"ہیں صاحب عالم! میاں 'حبیا' آپ کے ساتھ
نہیں آئے" میرزا رحیم الدین 'حیا' ان کے بڑے بیٹے ہیں،
لیکن تھوڑے دنوں سے باپ بیٹے میں کچھ صفائی نہیں رہی ہے
نواب صاحب اتنا کہنے لگے۔ نواب! وہ بھلا میرے ساتھ کیوں
آتے۔ جب سے بنارس ہوکر آئے ہیں ان کا تو رنگ ہی بدل گیا۔
بیچارہ تو کس گنتی میں ہوں، وہ کسی کو بھی اب خاطر میں
نہیں لاتے۔ پالا۔ پوسا، بڑا کیا، پڑھایا، لکھایا، شاعر بنایا،
بٹیریں لڑانا سکھایا اور تخت[1] کی قسم وہ وہ نسخے بٹیروں کے بتائے
ہیں کہ قلعہ تو قلعہ ہندوستان بھر میں کسی کے فرشتہ خان کو

---

(۱) روز روز کی خانہ جنگیوں نے ہر شہزادے کے دل میں یہ خیال
پیدا کر دیا تھا کہ شاید کل میں ہی بادشاہ ہوجاؤں، اس لئے قلعہ کے سب
لوگ خواہ وہ شہزادے ہوں یا سلاطین زادے ہمیشہ تخت کی تاج کی اور
اسی طرح کی قسمیں کھایا کرتے تھے۔

کردیا ہے ۔ مشاعرے میں سب سے پہلے آتے ہیں اور جب تک ایک
ایک کرکے سب نہیں چلے جاتے یہ اٹھنے کا نام نہیں لیتے
ایک روز کا واقعہ ہے کہ مشاعرہ ہو رہا تھا ۔ بڑے
زور سے ابر آیا ۔ سب نے جلدی جلدی مشاعرہ ختم کیا ۔ لوگ
اپنے اپنے گھر گئے لیکن یہ ٹھرے اپنی وضع کے پابند ' جب تک
سب نہ جا چکے اپنی جگہ سے نہ اٹھے ۔ ہاں گھڑی گھڑی جھک
جھک کر آسمان دیکھ لیتے تھے ۔ اتنے میں موسلا دھار مینہ برسنا
شروع ہوا ۔ ایسا برسا کہ جل تھل بھر گئے کہیں دو گھنٹے کے بعد
خدا خدا کرکے ذرا مینہ تھما تو یہ بھی اٹھے مگر ایسا اندھیرا گھپ تھا
کہ ہاتھ نہیں سوجھتا تھا ۔ مالک مکان نے ایک نوکر قندیل
دے کر ساتھ کر دیا ۔ گلیوں میں ٹخنوں ٹخنوں پانی تھا ۔ ان
بیچارے کے پاؤں میں زردوزی کا قیمتی جوتا تھا کیچڑ میں پاؤں
رکھیں تو کیسے رکھیں ۔ آخر چپکے سے نوکر سے کہا تو اپنا جوتا
مجھے دیدے ۔ اس کا جوتا کیا تھا ۔ لتھیڑے تھے ' وہی گھسیٹتے
ہوئے چلے اپنا جوتا بغل میں دبا لیا ۔ قلعہ پہنچ کر ایک نیا
جوتا نوکر کو دیا اور کہا ''میاں تونے آج میرے ساتھ ایسا
احسان کیا ہے کہ تمام عمر نہ بھولوں گا ۔ جب کبھی تجھے کوئی
ضرورت ہو تو میرے پاس آجایا کیجیو'' آگے چل کر اس بدمعاش

صافیوں میں لپٹے ہوئے پان ۔ گلوریوں کو صافي میں اس طرح جمایا تھا کہ بیچ میں ایک ایک تہہ پھولوں کي آگئي تھي ۔ خاصدانوں کے برابر چھوٹي چھوٹي کشتیاں ان میں الائچیاں ' چکني ڈلیاں اور بن دھنیا ۔ مسند کے سامنے چاندي کے دو شمعدان ' اندر کافوري بتیاں اوپر ھلکے سبز رنگ کے چھوٹے کنول ۔ شمعدانوں کے نیچے چاندي کے چھوٹے لگن ' لگنوں میں عرق کیوڑہ ' غرض کیا کہوں ایک عجیب تماشا تھا ۔ میں تو الف لیلی کا ابوالحسن ہوگیا ۔ جدھر نظر جاتي اُدھر هي کي ہو رهتي ۔ میں اس تماشے میں محو تھا کہ لوگوں کي آمد کا سلسلہ شروع ہوا ۔[1]

سب سے پہلے میرزا کریم الدین ' رسا ' آئے ۔ یہ سلاطین زادے هیں ۔ کوئي ستر برس کے پیٹے میں هیں ۔ استعداد علمي تو کم ھے مگر شاعري میں اپنے برابر کسي کو نہیں سمجھتے ۔ بہت رحم دل ' خوش خلق اور سادہ مزاج هیں ۔ دغل فصل نام کو نہیں ھے ملاح کہا کرتے هیں کہ کشتي میں '' چڑھے سب سے پہلے اور اترے سب سے پیچھے '' انہوں نے اس مقولہ کو مشاعرے سے متعلق

---

(۱) بزرگوں کي زباني دیوان عام کے مشاعروں کا جو حال میں نے سنا تھا بجنسہ پر اس مشاعرے کا نقشہ قائم کیا ۔

لٹکے ہوے - بیچ کي لڑیوں کو سمیٹ کر کلابتوني ڈوریوں سے
جس کے کون پر مقیّش کے گھپے تھے اس طرح چوبوں پر کس دیا
گیا تھا کہ شامیانے کے چاروں طرف پھولوں کے دوازے بن گئے تھے -
دیواروں میں کھونٹیاں تھیں وہاں کھونٹیوں اور جہاں
کھونٹیاں نہیں تھیں وہاں کیلیں گاڑکر پھولوں کے ہار لٹکا
دیئے تھے - اس سرے سے لگاکر اس سرے تک سفید چھت گیري کے
بیچوں بیچ موتیان کے ہار لٹکاکر لڑیوں کو چاروں طرف اس طرح
کھینچ دیا گیا تھا کہ پھولوں کي چھتري بن گئي تھی - ایک
صحنچي میں پاني کا انتظام تھا - کورے کورے گھڑے رکھے تھے
اور شورے میں جست کي صراحیاں لگي ہوئي تھیں ' دوسري
صحنچي میں پان بن رہے تھے - باورچي خانے میں حقوں کا تمام
سامان سلیقے سے جما ہوا تھا - جا بجا نوکر صاف ستھرے لباس
پہنے دست بستہ مؤدّب کھڑے تھے - تمام مکان مشک ' عنبر اور
اگر کي خوشبو سے پڑا مہک رہا تھا - قالینوں کے سامنے تھوڑے
فاصلے پر حقوں کي قطار تھي حقے ایسے صاف ستھرے تھے کہ معلوم
ہوتا تھا ابھي دکان پر سے خرید ہوکر آئے ہیں حقوں کے بیچ میں
جو کچھ جگہ چھوٹ گئي تھي وہاں چھوٹي چھوٹي تپائیاں رکھ کر
ان پر خاصدان رکھ دیئے تھے - خاصدانوں میں لال قندیل کي

کریم کا مکان اور کہاں یہ بادشاہی ٹھاٹھہ واقعی تمہارا کہنا صحیح
تھا کہ اگر دوہزار میں بھی کام نکل جائے تو یہ سمجھو کہ کچھہ
نہیں اُٹھا " چونے میں ابرک ملاکر مکان میں قلعی کی گئی تھی
جس کی وجہہ سے درو دیوار پڑے جگ مگ کر رہے تھے -
صحن کو بھرواکر تختوں کے چوکے اس طرح بچھائے تھے کہ چبوترہ
اور صحن برابر ہوگئے تھے - تختوں پر دری' چاندنی کا فرش'
اس پر قالینوں کا حاشیہ پیچھے گاؤ تکیوں کی قطار' جھاڑوں'
فانوسوں' ھانڈیوں' دیوارگیروں' قمقموں' چینی قندیلوں
اور گلاسوں کی وہ بہتات تھی کہ تمام مکانوں بقعۂ نور بن گیا تھا -
جو چیز تھی خوبصورت اور جو شے تھی قرینے سے - سامنے کی
صف کے بیچوں بیچ چھوٹا سا سبز مخمل کا کارچوبی شامیانہ'
گنگا جمنی چوبوں پر سبز[1] ہی ریشمی طنابوں سے استادہ تھا -
اس کے نیچے سبز مخمل کی کارچوبی مسند پیچھے سبز کارچوبی
گاؤتکیہ' چاروں چوبوں پر چھوٹے چھوٹے آٹھہ چاندی کے فانوس
نصب تھے' فانوس کے کنول بھی سبز - چوبوں کے سنہری کلسوں سے
لگاکر نیچے تک موٹے موٹے موتیاں گھرے سہرے کی طرح

---

(۱) سبز رنگ دھلی کا شاھی رنگ تھا -

اور مشاعرے کي تاریخ آھي گئي - ۱۴ رجب کو شام کے ساڑھے
سات بجے کے قریب میں بھي مشاعرے میں جانے کو تیار ھوا -
نواب صاحب کو دریافت کیا تو معلوم ھوا کہ وہ صبح سے جوگئے ھیں
تو اب تک واپس نہیں آئے - گھر سے جو نکلا تو بازار میں
بڑي چہل پہل دیکھي - ھر شخص کي زبان پر مشاعرے کا ذکر تھا -
کوئي کہتا تھا کہ یہ میاں کریم الدین خان کون ھیں کوئي
کہتا کہ بھي کوئي ھوں مگر انتظام ایسا کیا ھے کہ دیکھکر جي
خوش ھوتا ھے میں یہ باتیں سنتا اور دل میں خوش ھوتا ھوا
قاضي کے حوض پر آیا کیا دیکھتا ھوں کہ سڑک کے دونوں جانب
ٹٹیاں لگاکر اور ان میں روشني کے گلاس جماکر رات کو
دن کردیا ھے - سڑک پر خوب چھڑکاؤ ھے - کٹورا بج رھا ھے -
مبارک النساء بیگم کي حویلي کے بڑے پھاٹک کو گلاسوں قمقموں
اور قندیلوں سے سجاکر گلزار آتشیں کردیا ھے - صدر دروازے سے
اندر کي دھلیز تک روشني کا یہ عالم ھے کہ آنکھوں میں چکا
چوند آتي ھے - مکان کے اندر جو قدم رکھا تو ھوش جاتے رھے
یا اللہ یہ میرا ھي مکان ھے یا کسي شاھي محل میں آگیا ھوں -
گھڑي گھڑي آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر چاروں طرف دیکھتا اور کہتا
واہ میاں عارف ! واہ تم نے تو کمال کردیا - کہاں وہ بیچارے

یہ لوگ وہ هیں کہ اپنے دشمن کو بھي مصیبت میں نہیں دیکھ سکتے - خیر اس کو جانے دو اب یہ بتاؤ کہ تمھارا مکان خالي ہوگیا یا نہیں ،، میں نے کہا جي هاں بالکل خالي ہے - حکم ہو تو میں بھي خدمت میں حاضر رہ کر مدد کروں ' فرمایا نہیں بھئی نہیں - جہاں دو آدمیوں نے مل کر کسي کام میں هاتھ ڈالا اور وہ خراب ہوا - تم اس انتظام کو بس مجھ پر چھوڑ دو میں جانوں اور میرا کام جانے - بلکہ تم تو ادھر آنا بھي نہیں - تم نے اگر اگر میں میخ نکالي تو مجھ پر دوهري تہري محنت پڑ جائیگي ' -

۳ ترتیب

بشعر و سخن مجلس آراستند

نشستند و گفتند و برخاستند

میں تاریخ ابوالفداء کے ترجمے میں ایسا گتھ گیا کہ ۷ - ۸ روز تک گھر سے باهر هي نہ نکلا - نواب زین العابدین خان کے شوق کي یہ حالت تھي کہ باوجود کمزوري و نقاهت کے روز صبح هي سے جو باهر نکلتے تو کہیں رات کے آٹھ نو بجے جاکر ان کي صورت گھر میں دکھائي دیتي - اس لئے ان سے ملنا نہیں ہوا کہ کچھ حال پوچھتا - بہرحال یہ آٹھ دن آنکھ بند کرتے گزر گئے

'' هیں ! خان صاحب نے تو مشاعرے میں نہ کا عہد کر لیا ہے ۔ بھئی شیفتہؔ ! یہ کیا معاملہ ہے ؟ یا تو خود نہیں جاتے تھے یا دوسروں کو بھی ساتھ گھسیٹ رہے ہیں '' میں نے نواب زین العابدین خان عارف کا واقعہ بیان کیا۔ کہنے لگے '' ہاں ' یوں کہو ' یہ بات ہے ۔ ورنہ مجھے تو یہ سن کر حیرت ہوتی تھی کہ حکیم صاحب اور مشاعرے میں جائیں ۔ اچھا بھئی عارف سے کہدینا کہ میں اور شیفتہ دونوں آئیں گے '' یہاں سے چھٹی ہوئی تو میں یہ سمجھا گویا گنگا نہا لیا ۔ خوشی خوشی آکر نواب زین العابدین خان سے واقعہ بیان کیا ۔ وہ بھی مُطمئن ہوگئے ۔ میں نے حکیم مومن خان کا جب حال بیان کیا تو اُن کے آنسو نکل آئے ۔ کہنے لگے '' میاں کریم الدین ! تم کو یہ بھی معلوم ہے کہ میری حکیم صاحب سے صفائی نہیں ہے ''۔ میں نے کہا '' نواب صاحب ! آپ کیا فرماتے ہیں ان پر تو آپ کی بیماری سننے کا ایسا اثر ہوا کہ بیان نہیں کر سکتا ۔ شاید ان کا سگا بھائی ہوتا تو اتنا ہی اثر ہوتا ۔ مفتی صاحب سے معلوم ہوا کہ اُنھوں نے مشاعروں میں نہ جانے کا عہد کر لیا تھا صرف آپ کی وجہ سے اُنھوں نے یہ عہد توڑا ہے ''۔ نواب صاحب نے کہا '' بھئی ' تم کو ان لوگوں کی محبتوں کا کیا حال معلوم ؟

اوپر تخت بچھے ہوئے تھے ' اس پر چاندني کا فرش اور دو طرف گاو تکئے لگے ہوئے تھے - تختوں پر مفتي صاحب اور نواب صاحب بیٹھے باتیں کر رہے تھے - مفتي صاحب کي عمر کوئي ۵۶ ' ۵۷ سال کی تھي - گداز جسم ' سانولا رنگ ' چھوٹی چھوٹي آنکھیں ذرا اندر کو دھنسي ہوئیں ' بھري ہوئي ڈاڑھي ' بہت سیدھي سادي وضع کے آدمي ہیں ظاہري نمائش سے کوئي سروکار نہیں - لباس سفید ایک برکا پاجامہ ' سفید کرتا اور سفید ھي صافہ تھا - جامہ زیبي میں حکیم موممن خان کے بعد دھلي میں نواب مصطفیٰ خان شیفتہ ھي کا نمبر تھا - ان کا رنگ گہرا سانولا تھا لیکن ناک نقشہ غضب کا پایا تھا اس پر نیچي سیاہ گول ڈاڑھي بہت بھلي معلوم ہوتي تھي - جسم کسي قدر بھاري اور قد مُتوسّط تھا - لباس میں بھي زیادہ تکلّف نہیں کرتے تھے - تنگ مہري کا سفید پاجامہ ' سفید کرتہ ' نیچي چولي کا سفید انگرکھا اور قبلہ نما پچگوشیہ ٹوپي پہنتے تھے - تقریباً ۳۹ ' ۴۰ سال کي عمر تھي -

میں آداب کرکے تخت کے ایک کونے پر دوزانو بیٹھ گیا - مفتي صاحب نے آنے کا سبب پوچھا - میں نے حکیم مومن خان کا پیام پہنچا دیا - مفتي صاحب نے بڑے تعجب سے پوچھا

ہوئي تھی وہ بیان کي - کہنے لگے "ہمارے بادشاہ سلامت بھي عجیب چیز ہیں - جو سوجھتي ہے - نئي سوجھتي ہے - شاید ایسا مشاعرہ کہیں بھي نہ ہوا ہوگا جس میں 'طرح' نہ دي گئي ہو - خیر یہ تو اچھا ہوا جھگڑے کا جونیڑا ہي نہیں رہا مگر بھئي بات یہ ہے کہ جب تک مقابلہ کي صورت نہ ہو نہ شعر کہنے میں جي لگتا ہے اور نہ پڑھنے میں لطف آتا ہے" یہ کہکر وہ کپڑے دیکھنے میں مشغول ہوگئے اور میں سلام کہکر رخصت ہوا -

چتلي قبر کے قریب حویلي عزیز آبادي کے سامنے مفتي صدرالدین صاحب کا مکان تھا اُس نزدیک مٹیا محل میں نواب مصطفیٰ خان صاحب شیفتہ رہتے ہیں - مفتي صاحب کے ہاں جاکر معلوم ہوا کہ شیفتہ بھي مفتي صاحب ہي کے پاس بیٹھے ہیں میں نے کہا چلو' اس سے بہتر موقع ملنا مشکل ہے' دونوں سے ایک ہي جگہ ملنا ہوگیا - یہ سوچ کر اندر گیا - مکان کوٹھي کے نمونے کا ہے' انگریزي اور ہندوستاني دونوں وضع کو ملاکر بنایا گیا ہے - صحن بہت بڑا نہیں ہے - اس میں مختصر سي نہر ہے سامنے دالان در دالان اور پہلو میں انگریزي وضع کے کمرے ہیں - باہر کے دالان میں کواڑ لگاکر اس کو بھي کمرے کي شکل کا کردیا ہے - دالانوں کے سامنے اونچا چبوترہ ہے - چبوترے کے

جس میں دھلي کے تمام کاملین فن جمع ھوں - وہ خود حاضر ھوتے
مگر حکیم احسن اللہ خان صاحب ان کو کہیں آنے جانے سے منع
کردیا ھے '' یہ آخري فقرہ میں نے اپني طرف سے بڑھا دیا -
خاں صاحب بڑے غور میري بات سنتے رھے - میں خاموش ھوا تو
مولوي امام بخش صاحب کي طرف متوجہ ھوکر کہنے لگے
'' افسوس ھے ' کیا خوش فکر اور ذھین شخص ھے - یہ عمر اور
یہ مایوسي ' سچ ھے ھمیشہ رھے نام اللہ کا '' میري طرف دیکھکر کہا
'' اچھا بھئی تم جاؤ ' میري طرف سے عارف سے کہدینا کہ میاں میں
ضرور آؤں گا '' جب میں نے دیکھا کہ یہ جادو چل گیا تو اور
پاؤں پھیلائے اور کہا '' نواب صاحب نے یہ بھي فرمایا ھے کہ
مولوي صہبائی صاحب ' مفتي صدرالدین صاحب اور نواب
مصطفیٰ خاں صاحب شیفتہ کو بھي اپنے ھمراہ لائیے گا تو عنایت
ھوگي '' حکیم صاحب کہنے لگے - میاں صہبائي سے تو میں
ابھي کہے دیتا ھوں ' اب رھے آزردہ اور شیفتہ تو واپس
جاتے جاتے ان سے بھي کہتے جاؤ - یہ کہدینا کہ میں نے تم کو
بھیجا ھے ' ھاں تاریخ کیا مقرر کي ھے ' مشاعرہ کہاں ھوگا اور
' طرح ' کیا ھے '' - میں نے تاریخ بتاکر مکان کا پتہ دیا -
' طرح ' کے متعلق حضرت جہان پناہ کے حضور میں جو گفتگو

بھیجوں گا '' یہ باتیں ہی ہورہی تھیں کہ ایک بنارس کا سوداگر کپڑوں کے دو گٹھے لیکر آیا شہر میں جب کوئی کپڑوں کا سوداگر آتا حکیم صاحب کے پاس اس کا آنا لازمی تھا ۔ ریشمی کپڑوں سے انکو عشق تھا کوئی کپڑا پسند آتا تو پھر قیمت کی پروا نہیں کرتے تھے ۔ جو مانگتا دیتے ۔ اس سوداگر نے آکر ایک گٹھری مزدور کے سر پر سے اتاری ۔ اس میں سے پٹ سے ایک چھپکلی نیچے گری اور دوڑکر سامنے کی دیوار پر جو جمی بیٹھی تھی وہ لپک کر اس سے آملی اور دونوں مل کر ایک طرف چلی گئیں ۔ ہم لوگ بیٹھے یہ تماشہ دیکھتے رہے ۔ جب دونوں چھپکلیاں چلی گئیں تو حکیم صاحب نے کہا '' کہو میاں رقم تم نے دیکھا '' انہوں نے کہا '' جی ہاں ایک خانے کے حساب لگانے میں مجھسے غلطی ہوئی ۔ میں نے جو اپنی رائے پر اصرار کیا تھا اس کی معافی چاہتا ہوں '' کہنے لگے '' بھئی انسان ہی ہے تو غلطی ہوتی ہے ہاں تو بھئی صہبائی مشاعرے کے متعلق ہمارا تو صاف جواب ہے '' ۔ میں نے جب دیکھا کہ خاں صاحب ہاتھوں سے نکلے ہی جارہے ہیں تو مجھے نواب زین العابدین خان عارف کا ہے ۔ وہ بہت بیمار ہوگئے ہیں اور ان کو اب زندگی امید نہیں رہی ۔ انکی آخری خواہش ہے کہ مرتے مرتے ایک ایسا مشاعرہ دیکھ لوں

دوسرے صاحب هیں وہ هدهد کو ساتھ لئے پھرتے هیں اور خواہ مخواہ اُستادوں پر حملہ کرتے هیں - خود تو میدان میں نہیں آتے ' اپنے نا اهل پٹھوں کو مقابلے میں لاتے هیں اس روز جو اس جانور نے یہ شعر پڑھکر کہا کہ یہ غالب کے رنگ میں

مرکز محورِ گردوں بہ لب آب نہیں
ناخنِ قوسِ قزح ' شبۂ مضراب نہیں

لکھا ھے تو میں بیان نہیں کرسکتا کہ مجھکو کس قدر ناگوار گزرا - غالب کے رنگ میں شعر کہنا تو کجا وہ یا اُن کے اُستاد پہلے میرزا نوشہ کے شعروں کو سمجھ تو لیں - اب رھے میر صاحب[1] تو اُن کي بات دوسري ھے وہ بھي واهیات بکتے هیں مگر کسي پر حملہ نہیں کرتے' بلکہ ان کي وجہ سے مشاعرے میں چهل پهل هوجاتي ھے - بھئی میں نے تو اسي وجھ سے مشاعروں میں جانا هي ترک کردیا ھے - میں نے عرض کي کہ "اِس مشاعرے میں اُستاد ذوق اور میرزا نوشہ نے آنے کا وعدہ کرلیا ھے - حضرت ظلّ سبحاني کي غزل بھي آئے گي" فرمایا "هر شخص مختار ھے - خود آئے یا غزل بھیجے ' میں تو نہ آؤنگا نہ غزل

---

(۱) ان کا مفصل حال آگے آئے گا یہ بھي عجیب قسم تھے -

پوشاک ' خوش اخلاق ' ظریفُ الطبع ' حلیم ' خوبصورت اور شکیل آدمي تھے - اُستاد کا ایسا ادب کرتے تھے جیسے کوئي بیٹا باپ کا کرتا ھے - حکیم صاحب کي باتیں سن کر "بہت خوب ' مناسب" کہتے رھے - ان سے گفتگو کرکے حکیم صاحب ھماري طرف متوجه ھوئے اور کہنے لگے "ارے بھئي صہبائي! تم توکئي دن سے نہیں آئے - کہو خیریت تو ھے اور آپ کے ساتھ یہ کون صاحب ھیں" مولوي صہبائی نے کہا "یہ پہلے کالج میں شاگرد تھے ' اب مطبع کھول لیا ھے ' وھاں مشاعرہ کرنا چاھتے ھیں ' آپ کو تکلیف دینے آئے ھیں" حکیم صاحب نے ھنس کر کہا "بس صاحب مجھے تو معاف ھي کیجئے اب دھلي کے مشاعرے شریفوں کے جانے کے قابل نہیں رھے ایک صاحب[1] ھیں وہ اپنی امت کو لیکر چڑھ آتے ھیں ' شعر سمجھنے کي تو کسي کو تمیز نہیں ' مفت میں واہ واہ! سبحان الله سبحان الله! غل مچاکر طبیعت کو مُنغّض کردیتے ھیں - یہ نہیں سمجھتے کہ -

صائب دو چیز مي شکنند قدر شعر را
تحسین نا شناس و سکوت سخن شناس

---

(۱) یہ اُستاد ذوق اور شہزادوں کي طرف اشارہ تھا -

شطرنج کے کے نقشوں نے میرا ناک میں دم کر دیا ہے؟ ایک ہوں، دو ہوں آخر یہ روز روز کي فرمائشیں کوئي کہاں تک پوري کرے " صاحب عالم نے کہا " اُستاد کیا کروں رزیڈنٹ کے پاس ولایت سے حل کے لئے شطرنج کے نقشے آیا کرتے ہیں، کچھ تو میں خود حل کر کے ان کے پاس بھیج دیتا ہوں، جو سجھ میں نہیں آتے وہ آپ کے پاس لے آتا ہوں " - حکیم صاحب نے نظر اُٹھا کر ہماري طرف دیکھا - ہمارا سلام لے کر کہا - " بیٹھئے بیٹھئے " ہم بیٹھ گئے اور وہ پھر صاحب عالم کي طرف متوجہ ہو کر کہنے لگے " میاں حبا! جو نقشہ تم لائے ہو وہ تو میرے خیال میں کچھ پیچیدہ نہیں ہے - تم کہتے ہو کہ سرخ مہروں کو مات ہوگي، میں کہتا ہوں نہیں سبز کو ہوگي - تم بساط بچھاؤ، میں ابھي سمجھائے دیتا ہوں - اچھا بیٹے ذرا مولوي صہبائي سے بات کرلوں اور میاں سکھانند! تم بیٹھے انتظار کرتے رہو - میں حکم لگا چکا ہوں کہ جب تک پورب کے طرف سے اس چھپکلي کا جوڑا نہ آجائے یہ سامنے کي دیوار سے نہ جائے گي - اس کا جوڑا آئے پھر آئے " - سکھانند حکیم تھے، رقم تخلص کرتے تھے، دھرم پورے میں رہتے تھے، کوئي ۴۰ سال کي عمر تھي - ریختے میں شاہ نصیر کے اور رمل میں خان صاحب کے شاگرد تھے - بڑے خوش

کچھ کندھوں پر پڑے ہوئے ۔ کان کے قریب تھوڑے سے بالوں
کو موڑ کر زلفیں بنا لیا تھا ۔ بدن پر شربتي ململ کا نیچي
چولي کا انگرکھا تھا لیکن اس کے نیچے کرتہ نہ تھا اور جسم کا
کچھ حصہ انگرکھے کے پردے میں سے دکھالي دیتا تھا ۔ گلے میں
سیاہ رنگ کا فیتہ ' اس میں چھوٹا سا سنہري تعویذ ۔ کا گریزي
رنگ کے دوپٹے کو بل دے کر کمر میں لپیٹ لیا تھا اور اس
کے دونوں کونے سامنے پڑے ہوئے تھے ۔ ھاتھ میں پتلا سا خار
پشت ' پاؤں میں سرخ گلبدني کا پاجامہ مہریوں پر سے تنگ
اوپر جاکر کسي قدر ڈھیلا ۔ کبھي کبھي ایک پر کا پاجامہ
بھي پہنتے تھے ۔ مگر کسي قسم کا بھي ۔ ھمیشہ ریشمي اور قیمتي
ہوتا تھا ' چوڑا سرخ نیفہ ۔ انگرکھے کي آستینیں آگے سے کٹي
ہوئیں ' کبھي لٹکتي رہتي تھیں اور کبھي پلٹ کر چڑھا
لیتے تھے ۔ سر پر گلشن کی بڑي دوپلڑي ٹوپي ' اس کے کنارے
پر باریک لیس ۔ ٹوپي اتني بڑي تھي کہ سر پر اچھي طرح
منڈھ کر آگئي تھي ۔ اندر سے مانگ اور ماتھے کا کچھ حصہ اور
بال صاف جھلکتے تھے ۔ غرض یہ کہ نہایت خوش پوشاک اور
جامہ زیب آدمي تھے ۔ جب ہم دونوں پہنچے تو صاحب عالم
میرزا رحیم الدین 'حیا' سے کہہ رہے تھے کہ '' صاحب عالم ! تمہارے

دروازہ ہے ' اندر بہت وسیع صحن اور اُس کے چاروں طرف
عمارت ہے - دو طرف دو صحنچیاں ہیں اور سامنے بڑے بڑے
دالان در دالان - پہلے دالان کے اوپر کمرہ ہے - سامنے کے دالان
کي چھت کو کمرے کا صحن کر دیا ہے - لیکن منڈیر بہت چھوٹي
رکھي - دالانوں میں چاندني کا فرش ہے - اندر کے دالان میں
بیچوں بیچ قالین بچھا ہوا ' قالین پر گاؤتکئے سے لگے حکیم
صاحب بیٹھے ہیں - سامنے حکیم سکھانند المتخلّص بہ رقم اور
میرزا رحیم الدین 'حیا' مؤدب دو زانو بیٹھے ہیں - معلوم
ہوتا تھا کہ کوئي دربار ہو رہا ہے کہ کسي کو آنکھ اٹھا کر دیکھنے
اور بلا ضرورت بولنے کا یارا نہیں - حکیم مومن خان کي عمر
تقریباً ۴۰ سال کي تھي - کیشدہ قامت ' سرخ و سفید رنگ تھا
جس میں سبزي جھلکتي تھي بڑي بڑي روشن آنکھیں ' لمبي
لمبي پلکیں ' کھیچي ہوئي بھویں ' لمبي ستوں ناک '
پتلے پتلے ہونٹ ان پر پان کا لاکھا جما ہوا ' مسي آلودہ دانت '
ہلکي ہلکي موچھیں ' خشخاشي ڈاڑھي ' بھرے بھرے ڈنڈ '
پتلي کمر ' چوڑا سینہ اور لمبي انگلیاں - سر پر گھونگرو
والے لمبے لمبے بال کاکلوں کي شکل میں کچھ تو پشت پر اور

پایا ۔ کپڑے اتارے اندر سے کھانا آیا ۔ کھانا کھاکر تھوڑي دیر سو رہا ۔ چار بجے کے قریب اٹھ کر حکیم مومن خان کے ہاں جانے کي تیاري کی ۔ حکیم صاحب کا مکان چیلوں کے کوچہ میں ھے ۔ راستے میں مولوي امام بخش صاحب صہبائي مل گئے ۔ یہ کالج میں میرے استاد رہے ھیں ۔ کھلا ھوا گندم گوں رنگ ھے ' منھ پر کہیں کہیں چیچک کے داغ ھیں ۔ سر پر پٹے ھیں ' بڑے دبلے پتلے آدمي ھیں کوئي ۴۰ سال کي عمر ھوگي ۔ ایک بر کا سفید پاجامہ ' سفید انگرکھا ' کشمیري کام کا جبہ پہنتے اور سر پر چھوٹا سفید صافہ باندھتے ھیں ۔ یہ بھي چیلوں کے کوچے ھي میں رھتے ھیں ۔ مجھ سے پوچھنے لگے "کہاں جاتے ھو" میں نے کہا "حکیم مومن خان کے پاس" پوچھا "کیا کام ھے میں نے حال بیان کیا کہنے لگے "چلو میں بھی وھیں جا رھا ھوں" حکیم آغا خان کے چھتے کے سامنے خان صاحب کا مکان(۱) تھا ۔ بڑا

---

(۱) میں نے خود یہ مکان ۲۰ ' ۲۲ برس ھوئے دیکھا تھا ۔ ٹوٹ کر کھنڈر ھو گیا تھا ۔ تین طرف کي عمارت ڈھے گئي تھي ۔ سامنے کا حصہ قائم تھا ۔ معلوم نہیں کہ اوپر کي منڈیر کیوں اتني نیچي رکھي گئي تھي اسي منڈیر سے ٹھوکر کھا کر حکیم مومن خاں نیچے گرے ۔ ھاتھ اور بازو ٹوٹ گیا اور اسي وجہ سے ان کا انتقال ھوا ۔ خود ھي مرنے کي تاریخ کہي تھي کہ "دست و بازو بشکست"

"مگر بھي اب تک علائی نہیں آئے مجھکو اُنکا کل سے انتظار ھے - اے لو! وہ آھي گئے - بھي بڑي عمر ھے ' میں تم کو پوچھہ رھا تھا - '

نواب علاء الدین خان علائی ' نواب لوھارو کے ولي عہد ھیں - کوئي ۲۳ - ۲۴ سال کي عمر ھے - متوسط قد ' گندمي رنگ ' موٹا موٹا نقشہ ' گول چہرہ ' شربتي آنکھیں اور گھني چڑھي ھوئي ڈاڑھي ھے - لباس میں غلطے کا تنگ مہري کا پاجامہ سفید جامداني کا انگرکھا ' اس پر سینہ کھلي ھوئي سیاہ مخمل کي نیمہ آستین اور سر پر سیاہ مخمل کي چوگوشیہ ٹوپي تھي ' وہ بھي آداب کرکے ایک طرف بیٹھہ گئے اور کہا واقعي آج دیر ھوگئي ' مجھے خود خیال تھا کہ آپ انتظار کررھے ھونگے ' میري طرف دیکھکر کہا - آپ کي تعریف ' میرزا نوشہ نے تمام قصہ بیان کیا اور کہا علائی تم کو بھی چلنا ھوگا ' ابھي تو شاید تم لوھارو نہیں جارھے ھو ' انھوں نے کہا " بہت خوب آپ تشریف لیجائینگے تو میں بھی حاضر ھوں " جب یہ مرحلہ بھي طے ھوگیا تو میں نے اجازت چاھي - وھاں رخصت ھرکر زین العابدین خان کے مکان میں آیا - اُنھوں نے مردانے کا ایک حصہ میرے لئے خالي کردیا - جو اسباب صبح میں نے بھیجا تھا اس کو جما جمایا

چھوٹا قد ' بہت گورا رنگ ' نازک نازک نقشہ غلافي آنکھیں '
چگي ڈاڑھي ' چھریرا بدن ' غرض نہایت خوبصورت آدمي ھیں -
ایک برکا سفید پاجامہ اور سفید ھي انگرکھا زیب بدن تھا -
قالب چڑھي ھوئي چوگوشیہ ٹوپي سر پر تھي - ایک بڑا رومال
سموسہ بنا کندھے پر ڈالے ھوئے تھے - میں نے اٹھکر سلام کیا -
انھوں نے بڑھکر مصافحہ کیا اور خاموش ایک طرف دوزانو نہایت
ادب سے بیٹھ گئے - تھوڑي دیر میں میرزا غالب لکھنے سے فارغ
ھوئے ' پہلے نواب صاحب کي طرف مڑے اور کھنے لگے ' میاں نیّر !
تم کس وقت آبیٹھے - بھي اس میرزا تفتہ نے میرا ناک میں دم
کردیا ھے - ظالم کي طبیعت کي رواني کسي طرح کم نہیں ھوتي -
ھر خط میں آٹھ ' دس غزلیں اصلاح کے لئے بھیج دیتے ھیں اصلاح
دیتے دیتے تھک جاتا ھوں ' میري طرف دیکھکر کہا " آپ شاید
مولوي کریم الدین صاحب ھیں -" میں نے کہا " جي ھاں "
فرمانے لگے حضرت آپ کے تشریف لانے کي مجھے پہلے ھي سے اطلاع
مل گئي تھي - کل ھي میاں عارف آکر مجھسے مشاعرے میں
چلنے کا وعدہ لے گئے ھیں - کہو میاں نیّر ! تم بھي چلوگے - ' نواب
صاحب نے کہا " جہاں آپ وھاں میں - آپ تشریف لیجائینگے تو
انشاء الله میں بھي ضرور ھمراہ ھونگا " میرزا صاحب نے پوچھا

میرزا نوشہ کي عمر کوئي ۵۰ سال کي ہوگي - حسین اور
خوش رو آدمي ہیں ' قد اونچا اور ہاڑ بہت چوڑا چکلا ' موٹا مرٹا
نقشہ اور سرخ و سفید رنگ ہے - لیکن اس میں کچھ زردي
جھلکتي ہے - ایسے رنگ کو محاورے میں چمپئي کہا جاتا ہے
آگے کے دو دانت ٹوٹ گئے ہیں ' داڑھي بھري ہوئي ہے ' مگر
گھني نہیں ہے - سر منڈا ہوا اس پر سیاہ پوستین کي ٹوپي ہے
جو کلاہ پاپاخ سے ملتي جلتي ہے - ایک بڑا سفید پاجامہ سفید
ململ کا انگرکھا ' اس پر ہلکے زرد زمین کي جامہ دار کا چغہ (۱)
میري آہٹ پاکر لکھتے لکھتے آنکھ اونچي کي - میں نے آداب
کیا - سلام کا جواب دیا اور آنکھوں سے بیٹھنے کا اشارہ کیا - میں
ایک طرف بیٹھ گیا ابھي بیٹھا ہي تھا کہ نواب ضیاء الدین
احمد خان آگئے - یہ امین الدین خان صاحب نواب لوہارو کے
بھائي ہیں - ریختے میں '' رخشاں '' اور فارسي میں '' نیّر '' تخلص
کرتے ہیں - کوئي ۴۰ سال کي عمر ہے - انشا پردازي ' جغرافیہ '
تاریخ ' علم انساب ' اسماے رجال تحقیق لغات اور واقفیت
عامہ میں اپنا جواب نہیں رکھتے - میرزا نوشہ کے خلیفہ ہیں -

---

(۱) قلعہ دہلي کے عجائب خانے میں میرزا غالب کي ایک تصویر ہے
اس سے یہ لباس لیا گیا ہے -

ھے ۔ حضرت پیر و مرشد بھي بیٹھے بیٹھے اشقلے[1] چھوڑا کرتے ھیں ''
وہ اپني کھے گئے میں تو اٹھ سلام کر چلا آیا ۔

دوسرا حملہ اسد[2] اللہ خان ' غالب پر تھا ۔ چاندني چوک سے
ھوتا ھوا بلي ماروں میں آیا ۔ حکیم محمود خاں صاحب کے
مکان کے سامنے سے قاسم جان کي گلي کٹي ھے بائیں طرف پہلا ھي
مکان ان کا تھا ۔ یہ مکان مسجد کے پیچھے ھے اس کے دو دروازے
ھیں ایک مردانہ دوسرا زنانہ ۔ محلسرا کا ایک راستہ مردانے
مکان میں سے بھي ھے ۔ باھر کے دروازے کي دھلیز ذرا دھنسي
ھوئي سي ھے ۔ دروازے کے اوپر ایک کمرہ ھے اور کمرے کے دونوں
پہلوؤں میں دو کوٹھریاں ۔ گرمي میں میرزا صاحب دوپہر کے وقت
اسي ایک کوٹھري میں رھا کرتے تھے ۔ دروازے سے گزر کر
مختصر سا صحن ھے اور سامنے ھي دالان در دالان ۔ جب میں پہنچا
تو اندر کے دالان میں گاؤ تکئے سے لگے بیٹھے کچھ لکھ رھے تھے ۔

---

(۱) معلوم نہیں کہ یہ کس زبان کا لفظ ھے ۔ مگر دھلي میں عام طور پر
'' شگوفے '' کے معني میں استعمال ھوتا ھے ۔

(۲) ان دنوں دھلي میں لوگوں نے یہ اڑا رکھا تھا کہ میرزا نوشہ (غالب)
میرزا عبد اللہ بیگ کے بیٹے نہیں ھیں بلکہ انھوں نے ان کو پال لیا ھے اور یہ
در اصل کسي کشمیري کي اولاد ھیں حافظ ویران نے اسي کي طرف اشارہ کیا ھے
خدا محفوظ رکھے دھلي والوں سے جو باھر سے آیا اس کے حسب نسب میں
انھوں نے کیڑے ڈالے ۔

تھا ' حضرت ظلّ اللہ نے ارشاد فرمایا تھا کہ اس مشاعرے میں ہم
میرزا فتح الملک بہادر کو اپنی طرف سے بھیجیں گے اور اپنی
غزل بھی بھیجکر مشاعرے کی عزّت بڑھائیں گے اور یہ بھی ارشاد
ہوا تھا کہ استاد ذوق سے بھی کہدیں گے وہ بھی مشاعرے میں
آئیں گے '' - یہ سن کر حافظ ویران تو ٹھنڈے پڑ گئے - استاد
نے فرمایا '' ہاں بھی مجھے یاد آگیا - کل شام کو حضرت پیر و
مرشد نے مجھ سے بھی فرمایا تھا اور یہ بھی ارشاد ہوا تھا کہ تم
بھی ضرور جائیو - میاں میں انشاء اللہ تعالی ضرور آؤں گا -
مگر یہ تو بتاؤ '' طرح کیا رکھی ھے '' میں نے واقعہ عرض کیا
اور کہا کہ '' حضرت ظلّ سبحانی نے '' طرح '' کا جھگڑا ھی نکال
دیا - جو شخص جس بحر اور جس ردیف ' قافیہ میں چاھے
آکر غزل پڑھے '' - استاد (۱) تو '' بہت خوب بہت خوب '' - کہتے رھے
مگر حافظ ویران کی تیوری کے بل نہیں گئے ' برابر بڑبڑاتے ھی
رھے کہ '' اللہ خیر کرے ' دیکھئے اس مشاعرے کا کیا حشر ہوتا

---

(۱) استاد ذوق کو شہر بھر نائی کہتا ھے - یہ دوسری بات ھے کہ آزاد
مرحوم نے ان کے ھاتھہ میں استرے کے بجائے تلوار دے کر ان کو سپاھی زادہ
بنا دیا ھے -

ھو گئے کہنے لگے جایئے جایئے ۔ کہاں کا مشاعرہ نکالا ھے ۔ استاد کو فرصت نہیں ھے ان میرزالے پالک کے پاس کیوں نہیں جاتے جو خواہ مخواہ ان کو آکر دق کرتے '' ۔ استاد نے کہا ۔ '' بھئی حافظ ویران ! تمھاری زبان نہیں رکتی ۔ بیٹھے بٹھائے تم دنیا بھر سے لڑائی مول لیتے ھو '' ۔ حافظ ویران کہنے لگے '' استاد جب وہ آپ کو برا بھلا کہلیں تو ھم کیوں چپ بیٹھنے لگے ۔ وہ ایک کہیں گے تو ھم سو (۱۰۰) سنائیں گے اور تو اور میاں آشفتہ کو دن لگے ھیں ' کل ھی کی بات ھے آپ کو ناوڑا کہہ رہے تھے ' مگر میں نے بھی ایسی خبر لی کہ تمام عمر یاد کریں گے ان کی سات پشت کو توم ڈالا '' ۔ استاد ھنس کر فرمانے لگے '' نا بھئی نا ' تم میری وجہ سے کیوں بلا میں پڑتے ھو ۔ مجھے جس کا جو جی چاھے سو کہے میں نے تو ان سب کا جواب ایک رباعی میں دیدیا ھے ۔

تو بھلا ھے تو برا ھو نہیں سکتا اے ذوق
ھے برا وہ ھی کہ جو تجھکو برا جانتا ھے
اور جو خود تو ھی برا ھے تو وہ سچ کہتا ھے
کیوں برا کہنے سے اس کے تو برا مانتا ھے

میں نے عرض کی کہ '' میں کل بارگاہ سلطانی میں حاضر ھوا

چارپائي پر بیٹھے حقه پي رهے تهے - دوسري چارپائي پر ان کے چاهتے
شاگرد حافظ غلام رسول ویران بیٹھے - یه اندهے هیں اور ان هي سے
هوشیار رهنے کے لئے حضرت جهاں پناه نے ارشاد فرمایا تها -
اُستاد ذوق قد و قامت میں متوسط اندام هیں ' رنگ اچها
سانولا هے چهرے پر چیچک کے بهت داغ هیں ' آنکهیں بڑي
بڑي اور روشن اور نگاهیں تیز هیں چهرے کا نقشه کهڑا کهڑا
هے - اِس وقت سفید تنگ پاجامه ' سفید کرته اور سفید
هي انگرکها پهنے هوئے تهے - سر پر گول چندوے کي
ململ کي ٹوپي تهي - میرے پاؤں کي آهٹ سنتے هي حافظ ویران
نے چونک کر کها " کون هے " میں نے کها کریم الدین ' استاد
ذوق کي خدمت میں حاضر هوا هوں " استاد نے اپنا نام سن کر
کها " آئے آئے اندر تشریف لائیے " میں نے آداب عرض کیا -
انهوں نے فرمایا - " بیٹھو ' بهي بیٹھو " - میں حافظ ویران
کے پاس چار پائي پر بیٹھ گیا - کها " فرمائیے کیسے تشریف
لانا هوا " - میں نے عرض کي که " میرا اراده قاضي کے حوض
پر ایک مشاعره شروع کرنے کا هے - ۱۴ رجب تاریخ مقرر هوئي هے
اگر حضور بهي ازراهِ بنده نوازي قدم رنجه فرمائیں تو بعید
از کرم نه هوگا " - میرا اتنا کهنا تها که حافظ ویران تو چراغ پا

ھاتھ ڈالا ھے تو میں جانوں اور میرا کام جانے - تم بیٹھے تماشا
دیکھو- مگر ھاں مکان کل تک خالي کر دینا - نو ھي دن تو رہ گئے -
ھیں' رات کم اور سوانگ بہت ھے'' اب جاؤ خدا حافظ - تم تھک
بھی گئے ھو' ذرا آرام لیلو اور کل صبح ھي سے ادھر مکان خالي
کرنے کي فکر کرو' ادھر ان تینوں استادوں کے مکان کا چکر
لگاؤ- مکان خالي ھوجائے تو فوراً مجھے اطّلاع دینا اور خود
میرے ھاں چلے آنا - اس میں شرم کي کونسي بات ھے' آخر
میري ھي وجہ سے تو تم اپنا مکان چھوڑ رھے ھو'' وھاں سے نکل کر
میں اپنے گھر آیا مطبع کو بند کرتے اور سامان کو سمیٹتے شام ھوگئي -
صبح اٹھ کر پھننے اوڑھنے کا سامان تو نواب زین العابدین خان
کے مکان پر روانہ کیا اور خود کابلي دروازے کي طرف چلا کہ
پہلے اُستاد ذوق ھي سے بسم اللہ کروں -

کابلي دروازے کے پاس ھي ان کا مکان ھے' مکان بہت چھوٹا
ھے' چھوٹي سي ڈیوڑھي ھے اس میں ایک طرف جائے ضرور ھے -
اندر صحن اتنا چھوٹا ھے کہ دو پلنگ بچھنے کے بعد راستہ چلنے
کے لئے مشکل سے جگھہ رھتي ھے -' سامنے چھوٹا سا دالان ھے اور اس
کے اوپر ایک کمرہ- صحن میں سے زنانہ کے مکان میں راستہ
جاتا ھے - جب میں پہنچا تو اُستاد صحن میں بان کي کھري

که ان میں سے کوئي هاتھوں سے نکلا هي جاتا هے تو میرا نام لے دینا۔
امید هے که میرا نام سنکر شاید راضي هوجائیں ۔ دوسري بات یه هے
که مبارک النساء بیگم کي حویلي جس میں تمھارا مطبع هے دو روز
میں خالي کرکے بالکل میرے حوالے کردو ' مجھے وهاں نشست کا
انتظام کرنا هوگا ' میں نے کہا '' اور میں کہاں جاؤں '' فرمانے
لگے '' میرے مکان میں آتھ نو روز کے لئے آجاؤ تم کو تکلیف تو
هوگي مگر کیا کیا جائے ۔ جب قلعه کے لوگوں کو بلا رهے هیں تو
ان هي کے رتبے کے موافق مکان کو بھي درست کرنا هوگا ۔ دیکھئے
خرچ کیا پڑتا هے '' میں نے کہا '' مشاعرے میں خرچ هي ایسا
کونسا هوتا هے ' زیادہ کے زیادہ سو سوا سو روپئے اتھ جائیں گے ''
یه سن کر نواب صاحب مسکرائے اور کہا '' کریم الدین تم کیا
جانو که ایسے مشاعروں میں کیا خرچ هوجاتا هے هزار دو هزار
میں بھي اگر پوتھ پورا گیا تو سمجھو که سستے چھوتے '' یه سن کر
تو میرے هاتھوں کے طوطے اڑگئے ۔ میں نے کہا '' نواب صاحب
اگر یه صورت هے تو میرا ایسے مشاعرے کو دور هي سے سلام هے ۔
مطبع تو مطبع اگر اپنے آپ کو بھي بیچ ڈالوں تو اتني رقم نه
اٹھے '' ۔ فرمانے لگے '' بھئي تم اس خرچ کے جھگڑے میں نه پڑو '
خدا یه مشکل بھي آسان کردیگا ۔ جب میں نے اس کام میں

اتنا مشکل کام نہ تھي جتنا یہ الٹے پاؤں واپس ہونا - زمین پاؤں کو نہیں لگتي تھي ' اس لئے دوچار قدم ھي چلا ہونگا کہ دیوار سے ٹکر کھائي - اس ٹکر سے نہیں سنبھلا تھا کہ نہر میں پاؤں جا پڑا - خیر بہ ہزار دقت باہر نکل ھي آیا - ادھر میں نکلا ادھر چوبدار ساتھ ہوا اس کو انعام دے دلاکر ٹالا - حکیم صاحب کے پاس آیا - وہ میرے انتظار میں بیٹھے تھے - ان سے تمام واقعہ بیان کیا - فرمانے لگے مولوي صاحب بات یہ ھے کہ میرزا فخرو بہت دنوں سے مشاعرے کے لئے بے چین ہو رہے تھے - ان ھي کي یہ کار گزاري ھے ورنہ بھلا یہ معاملہ اس طرح تھوڑي طے ہوتا - مگر چلو تمہارا کام بن گیا - میاں عارف سے جاکر کہدو - وہ میرے ھي ھاں بیٹھے انتظار کر رہے ہونگے -

حکیم صاحب کے مکان پر پہنچا تو دیکھا کہ واقعي نواب صاحب میرے انتظار میں بیٹھے ھیں - ان سے حالات بیان کئے کہنے لگے کہ ' چلو یہ مشکل تو آسان ہوئي ' اب تم یہ کرو کل کم سے کم استاد ذوق ' میرزا نوشہ اور مومن خان کے مکان کا گشت لگا ڈالو ؛ مگر دیکھنا ذرا پھونک کر قدم رکھنا ' یہ تینوں بڑے دماغ دار آدمي ھیں ' اگر ذرا بھي تم سے بات چیت میں لغزش ہوئي تو یاد رکھو کہ بنایا کھیل بگڑ جائیگا - جب دیکھو

انکار کربیٹھیں - میں اور میرزا شبو تو انہیں سکتے ہیں ہاں میرزا
فخرو کو اپني جگہہ بھیج دونگا اور انشاء اللہ اپني غزل بھي
بھیجونگا - ہاں یہ تو بتاؤ کہ تم نے طرح کیا رکھي ہے ' طرح ' ہي
تو بڑے جھگڑے کي چیز ہے - یہ ذرا سوچ سمجھکر دینا ' یہ باتیں
ہوھي رھي تھیں کہ بازو سے آواز آئي ' اے ہے ' یہ انّا بچّہ کیا
بے طرح سلاگئي ہے - ' یہ سنتے ھي بادشاہ سلامت نے یہ فرمایا
' لو بھائي یہ خود بخود فال گوش مل گئي - ' تم اس مشاعرے میں
کوئي '' طرح '' ھي نہ دو - جس شخص کا جس بحر جس ردیف
قافیہ میں غزل پڑھنے کو دل چاھے پڑھے '' نہ لینا ایک نہ دینا دو ''
میں نے عرض کي تاریخ - فرمایا '' ۱۴ رجب مقرر کردو ' دن بھي
اچھا ہے ' چاندني رات بھي ہوگي ' آج پانچ تاریخ ہے نو دن
باقي ہیں ' اتنے دنوں میں بہت کچھہ انتظام ہوسکتا ہے ؛
۲۰ جولائي پڑے گي - موسم بھي ٹھنڈا ہوجائیگا - اچھا اب
خدا حافظ ' عمر دولت و اقبال کو دعا دي اور خوش خوش
اُلٹے قدموں واپس ہوا - میرزا فخرو بیچ میں کچھہ نہیں بولے
مگر میں سمجھتا تھا کہ یہ سب کیا دھرا اُنہیں کا ہے ' ورنہ کہاں
میں اور کہاں یہ خلوت شاہي - سچ ہے '' بگڑي بن جاتي ہے جب
فضلِ خدا ہوتا ہے '' یہاں میں ضرور کہونگا کہ میرے لئے حضوري

میں نے دیکھا کہ بے لطفي بڑھ رهي هے - اس لئے بند کردیا
منشي فیض پارسا نے اجمیري دروازے کے باهر غازي الدین خان
کے مدرسه میں مشاعره شروع کیا ' وه تیلیوں کي طرح بکھر گیا -
وه تو کهو غنیمت هوا که ردیف میں '' تیلیاں '' هی تهیں '
کهیں خدا نخواسته اگر ردیف '' کڑیاں '' هوتي تو خدا جانے
کتنوں کے سر پھوٹ جاتے - تم مشاعره تو کر رهے هو مگر ان هاتهیونکي
ٹکّر کیسے سنبهالوگے اُستاد ذوق تو بچارے بے زبان آدمي هیں '
مگر خدا بچائے حافظ ویران سے وه ضرور لڑ مرینگے اور تم جانتے هو
اندهے کي داد نه فریاد اندها مار بیٹھیگا ' کسي نے اگر مشاعرے میں
اُستاد پر ذرا چوٹ کردي تو ان نابینا صاحب کا سنبهالنا مشکل
هو جائیگا - میاں یه تم سے یه کام سنبھلتا نظر نہیں آتا ' میں نے
عرض کي که قبلۂ عالم میري کیا همّت هے جو میں اتنے بڑے
کام میں هاتھ ڈال سکوں ' مشاعرے کا سارا انتظام نواب زین العابدین
خان عارف نے اپنے ذمّه لیا هے - ' فرمایا ' تو مجھے اطمینان هے -
یه لڑکا بڑا ذهین هے ' میرزا نوشه اور موٴمن خان کو وه سنبهال
لیگا ' رهے اُستاد ذوق ان سے میں کهه دونگا - خدا نے چاها تو
اس طرح مشاعره چل جائیگا - مگر میں یه کهے دیتا هوں که
مشاعرے سے پہلے ان لوگوں سے مل لو - کهیں ایسا نه هو که وقت پر

پانی پت کا رہنے والا ہے، بچپن ہی سے حضرت ظلّ اللہ کے سایۂ
عاطفت میں آرہا ہے "۔ فرمایا۔ اماں (۱)! ابھی تمہارا ہی تذکرہ
میرزا فخرو کر رہے تھے میرا خود جی چاہتا ہے کہ پہلے کی طرح
دیوان عام میں مشاعرہ کروں مگر کیا کروں زمانے کی ہوا ایسی
بگڑ گئی ہے کہ مناسب معلوم نہیں ہوتا۔ یہ صحیح ہے کہ " بُود
ہم پیشہ باہم پیشہ دشمن " لیکن خدا محفوظ رکھے ایسی
دشمنی بھی کس کام کی کہ دو گھڑی مل جل کر نہ بیٹھنے دے۔
دیوان عام میں مشاعرہ ہوتا تھا، وہ کچھ دنوں ٹھیک چلا، پھر

---

(۱) شاہان دہلی ہمیشہ مرد و عورت دونوں کو "اماں" سے
خطاب کیا کرتے تھے چنانچہ اس طرز کلام کی جھلک اب تک حیدر
آباد میں پائی جاتی ہے۔ مجھے بڑا تعجب ہے کہ ایک مورخ نے
اس طریقۂ مخاطب کی بنا پر قلعۂ معلیٰ کی تہذیب و اخلاق پر حملہ
کیا ہے اور لکھا ہے کہ "بادشاہ کے اخلاق کی پستی کا اندازہ اس سے
کیا جا سکتا ہے کہ وہ اپنی بیوی کو بھی "اماں" کہتا تھا"۔ معلوم ہوتا ہے
کہ یہ صاحب انگریزی نہیں جانتے تھے، ورنہ ان کو پڑھکر تعجب ہوتا کہ
جس قوم کو وہ تہذیب کا پتلا اور اخلاق کا نمونہ ظاہر کرتے ہیں ان کے
ہاں بھی خاوند اپنی بیوی کو "اماں" ہی کہتا ہے اور بیوی خاوند کو
کبھی "ابا" کبھی "دادا" پکارتی ہے۔ (میرے خیال میں یہ "ارے
میاں" کا اختصار ہے۔ چنانچہ اب بھی بے تکلف بول چال میں میاں کو
ماں ہی کہہ جاتے ہیں)۔

چہرہ بڑي بڑي روشن آنکھیں ' آنکھوں کے نیچے کي ھڈیاں
بہت ابھري ھوئي لمبي گردن ' چوکا ذرا اونچا ' پتلي ستواں
ناک بڑا دھانہ ' گہري سانولي رنگت ' سر منڈا ھوا '
چھدري ڈاڑھي ' کلوں پر بہت کم ' تھوڑي پر ذرا زیادہ '
لبیں کتري ھوئي ۷۰ برس سے اونچي عمر تھي ' بال سفید
بھق ھوگئے تھے ' لیکن پھر بھي ڈاڑھي میں اِکّا دکّا سیاہ بال
تھا - چہرہ پر جھریاں تھیں لیکن باوجود اس پیرانہ سالي
اور نقاھت کے آواز میں وھي کرارپن تھا - سبز کمخواب کا ایک
برکا پاجامہ اور سفید ڈھاکے کي ململ کا کرتہ زیب بدن تھا - سامنے
ایک چوکي پر جامہ وار کي خفتان اور کارچوبي چوگوشیہ ٹوپي
رکھي ھوئي تھي - اب رھے میرزا فخرو تو وہ عین میں باپ کي
تصویر تھے ۳۲ ' ۳۳ برس کي عمر تھي ' فرق تھا تو بس یہي کہ
وہ بڈھے تھے ' یہ جوان - ان کا رنگ بڑھاپے کي وجہ سے ذرا
کلونس لے آیا تھا - ان کھلا کہران رنگ تھا - ان کي ڈاڑھي سفید
تھي ' ان کي سیاہ ورنہ یہي معلوم ھوتا تھا کہ ایک بادشاہ
لیٹے ھیں اور ایک بیٹھے ھیں - دونوں نے مجھ پر ایک گہري نظر
ڈالي اور بادشاہ سلامت نے فرمایا - ''اماں ! تمہارا ھي نام کریم
الدین ھے ' تم کہیں باھر کے معلوم ھوتے ھو - '' میں نے کہا کہ خانہ زاد

اندر نہر بہتي ہے - بيچ ميں کئي بڑے بڑے حوض ہيں -
ان ميں فوّارے چلتے ہيں - حمّام کيا ايک بہشت کا ٹکڑا ہے -
چوبدار جو گيا تو آنے کا نام نہيں ليا - دھوپ ميں کھڑے کھڑے
بِشار ہو گيا - پسينہ ميں تربتر گردن نيچي کئے کھڑا ہوں اور ناک
سے پسينے کي بوندیں ٹپک رہي ہيں - ارادہ ہوا کہ واپس
چلا جاؤں - مگر اول تو طلبي کے بعد بھاگ جانا ہي نازيبا '
دوسرے راستہ کس کو معلوم - خدا خدا کرکے يہ مشکل آسان ہوئي
اور چوبدار نے آکر کہا کہ '' چلئے '' اس ايک لفظ نے خود بخود
پاؤں ميں لغزش اور دل ميں کپکپي پيدا کردي - خير کسي
طرح الٹے سيدھے پاؤں ڈالتا حمّام مبارک ميں داخل ہو گيا
چوبدار نے آواز دي ''ادب سے ' نگاہ رو برو ' حضرت جہاں پناہ
سلامت ' آداب بجا لاؤ '' ميں نواب زين العابدين خان
صاحب سے يہ سبق پورا اور اچھي طرح پڑھکر آيا تھا ' دھرا ہوکر
سات تسليمات بجا لايا اور نذر گزراني نذر ديتے وقت ذرا آنکھ
اونچي ہولي تو وہاں کا رنگ ديکھا حضرت پير مرشد ايک
چاندي کي پلنگڑي پر ليٹے تھے ' پائنتي ميرزا فخرو بيٹھے
پاؤں دبا رہے تھے - دهلي ميں وہ کون ہے جس نے حضرت ظلّ اللہ
کو نہيں ديکھا ميانہ قد ' بہت نحيف جسم ' کسي قدر لمبا

هیں - یہ سننا تھا کہ میرے پسینے چھوٹ گئے - میں سمجھا تھا
کہ حکیم صاحب هي کے پاس جاکر معاملہ طے هو جائیگا - یہ کیا
خبر تھي کہ بارگاہ جہاں پناهي میں یاد هوگئي اور یاد
بھي ایسے وقت کہ میرا سانس بھي پیٹ میں پوري طرح
سمایا هوگا حکمِ حاکم مُرگِ مُفاجات - اُٹھا اور چوبدار کے
پیچھے پیچھے روانہ هوا - تمام راستے آیۃالکرسي پڑھتا رہا -
آنکھ اُٹھا کر یہ بھي نہ دیکھا کہ یہ بندۂ خدا کدھر لئے جا رہا ھے -
اندر سے قلعہ دیکھنے کا مدّت سے شوق تھا - اب جو موقع ملا تو
کن آنکھوں سے دیکھنے کي همّت نہ هوئي چلتے چلتے آندھ
آگئے - آخر خدا خدا کرکے چوبدار نے دیوان خاص کي سیڑھیوں
کے پاس لے جاکر کھڑا کردیا اور آپ اندر اطلاع دینے چلا گیا -
حضرت جہاں پناہ اس وقت حمّام میں رونق افروز تھے - جن
صاحبوں نے دهلي کا قلعہ نہیں دیکھا ھے وہ شاید نہ سمجھ
سکیں کہ گرمیوں میں حمّام میں بیٹھنے کے کیا معني' اصل یہ
ھے کہ یہ حمّام کیا ھے ایک عالي شان عمارت ھے - اس کے دو
درجے هیں - ایک گرم دوسرا سرد - عمارت کا جو حصہ موتي مسجد
کي جانب ھے وہ گرم ھے اور جو جمنا کے رخ پر ھے وہ سرد ھے -
ریتي کے رخ خس کے پردے ڈال کر خس خانہ بنا لیا جاتا ھے -

کل آپ ایک بجے قلعۂ معلي میں آجائے - میں چوبدار سے کہے جاتا هوں ' یہ اندر پہنچا دیگا ' آگے آپ جانیں اور آپ کی قسمت ' یہ کہہ کر حکیم صاحب نے خدا بخش کو آواز دي - وہ آیا تو اس سے کہا کہ ''کل یہ صاحب حویلي میں ایک بجے آئینگے ' ان کو میري بیٹھک میں پہنچا دینا -'' یہ کہہ کر وہ نواب صاحب کي طرف متوجہ هوگئے اور میں آداب کر کے واپس چلا آیا -

دوسرے روز ایک بجے کے قریب میں مولویانہ ٹھاٹھہ سے جبہ پہن ' شملہ باندھ قلعہ معلي پہنچا لاهوري دروازے کے باهر خدا بخش کھڑے هوئے تھے وہ مجھکو حکیم صاحب کي بیٹھک میں لے گئے - یہ بیٹھک جس کو پہلے زمانے میں '' نشست '' کہا جاتا تھا دیوان عام سے ملي هوئي تھي حکیم صاحب بیٹھے کچھہ لکھہ رہے تھے ' مجھے دیکھکر بولے - اجي مولوي صاحب میں نے آپ کا کام کردیا ھے ' صاحب عالم میرزا فتح الملک بہادر سے صبح هي کو ملنا هوگیا ' وہ اس تجویز سے بڑے خوش هوئے - فرماتے تھے ' جہاں پناہ سے میں اجازت لئے لیتا هوں مگر مشاعرے کا انتظام ایسا هونا چاهئے کہ هم لوگ بھي آسکیں خیر بیٹھئے - شاید ابھي آپ کي یاد هو - میں ایک طرف بیٹھہ گیا - بیٹھا هي تھا کہ چوبدار نے آکر کہا '' وہ کریم الدین کون صاحب هیں - ان کو حضور والا یاد فرماتے

بھي کرتا ھوں' ممکن ھے کہ کوئي صورت نکل آئے ھاں ٹھیرو
حکیم صاحب کو آنے دو' ایک تجویز ذھن میں آئي ھے' اگر چل گئي
تو میري بھي آخري خواھش پوري ھو جائیگي اور تمھارا بھي کام
نکل جائیگا'' - ھم یہ باتیں کر ھي رھے تھے کہ حکیم صاحب نکل آئے -
گورے چٹے آدمي ھیں' سفید ھاں آپ کے دوست کو صاحب میرزا
فتح الملک[1] بہادر سے ملا دیتا ھوں ان کو آج کل مشاعرہ کي لو لگي
ھوئي ھے - حضور سے بھي کئي مرتبہ عرض کرچکے ھیں' مگر وہ ٹال
گئے اگر ان صاحب نے ذرا بھي زور دیا تو مجھے یقین ھے کہ صاحب
عالم کہہ سن کر ضرور اجازت حاصل کر لینگے اچھا تو مولوي صاحب

---

(۱) ان کا نام میرزا فخر الدین خطاب میرزا فتح الملک شاہ بہادر عرف میرزا فخرو اور تخلص رمز تھا - بہادر شاہ ثاني کے منجھلے بیٹے تھے - میرزا محمد دارا بخت عرف میرزا شبو ولیعہد سلطنت کے انتقال کے بعد سنہ ۱۸۴۸ ع میں ولیعہد ھوئے - مگر غدر سے پہلے ھي ۱ جولائي سنہ ۱۸۵۲ ع میں ۴۰ سال کي عمر میں انتقال کیا ان کے بعد میرزا جوان بخت کي ولیعہدي کے جھگڑے ھوے -

قلعۂ دھلي کو لال حویلي یا صرف حویلي بھي کہا جاتا ھے حافظ عبد الرحمن خاں احسان کا شعر ھے کہ -

مري تنخواہ لوٹي ان لٹیروں نے حویلي میں
بہادر شاہ غازي کي دوھائي ھے دوھائي ھے

کیا تو معلوم ہوا کہ نواب زین العابدین خان اندر ہیں - چوبدار کے
ذریعے سے اطلاع کرائی - اُنھوں نے اندر بلا لیا - بڑا عالی شان
مکان ہے - صحن میں نہر ہے ' سامنے بڑا چبوترہ ہے اور چبوترے پر
بڑے بڑے دالان در دالان ' مکان خوب آراستہ و پیراستہ ہے ' ہر چیز
سے امارت ٹپکتی ہے ' سامنے گاؤ تکیہ سے لگے نواب صاحب بیٹھے تھے -
میں نے تو ان کو پہچانا بھی نہیں سوکھ کر کانٹا ہو گئے تھے اور چہرے
پر جُھریاں پڑ گئی تھیں - میں نے سلام کر کے کیفیت پوچھی -
کہنے لگے " مولوی صاحب کیا کہوں کچھ دل بیٹھا جاتا ہے ' بظاہر
کچھ مرض بھی معلوم نہیں ہوتا - علاج کرا رہا ہوں مگر بے نتیجہ '
بھئی اب ہمارے چل چلاؤ کا زمانہ ہے ' کچھ دنوں دنیا کی ہوا کھا
رہے ہیں مگر یہ تو کہئے آج آپ کدھر نکل آئے " میں نے واقعات کا
اظہار کرکے ضرورت بیان کی - تھوڑی دیر تک سوچتے رہے - پھر
ایک آہ بھر کر کہا - " میاں کریم الدین تم کو بات تو اچھی سوجھی
ہے ' مگر بھئی اس کا نباھنا مشکل ہے - تمہیں خبر نہیں دھلی کے پہلے
مشاعروں نے کیا کچھ دلوں میں فرق ڈال دیئے ہیں - دل تو
میرا بھی چاھتا ہے کہ مرتے مرتے ایک ایسا مشاعرہ دیکھ لوں
جس میں یہاں کے سب کاملین فن جمع ہوجائیں ' مگر مجھے یہ بیل
منڈھے چڑھتی معلوم نہیں ہوتی - اچھا تم بھی کوشش کرو ' میں

اس قسم کي فضوليات کي طرف توجه بهي نه کرتا' مگر کيا کروں' ضرورت سب خيالات پر حاوي هوگئي اور مجهے قيام مشاعره پر مجبور کيا - ليکن بڑي مصيبت يه هے که ايک تو اس شهر ميں غريب اور خاص کر پرديسي غريب کو منهه نهيں لگاتے' دوسرے يه که ميري جان پهچان تهي تو مولويوں سے' وه بهلا اس معاملے ميں ميرا کيا ساتهه دے سکتے تهے - سوچتے سوچتے نواب زين العابدين خاں' عارف پر نظر پڑي' اُن سے دو چار دفعه ملنا هوا تها - بڑے خوش اخلاق آدمي هيں' لال کوئيں کے پاس ايک حويلي هے اُس کو مدرسه بهي کهتے هيں' وهاں رهتے هيں - کوئي ۳۰ سال کي عمر هے - گوري رنگت' اونچا قد اور نهايت جامه زيب آدمي هيں - البته ڈاڑهي بهر کر نهيں نکلي هے' تهوڑي هي پر کچهه گنتي کے بال هيں - غالب کے بهانجے بهي هيں اور شاگرد بهي - کچهه عرصے تک شاه نصير سے بهي اصلاح لي هے' بهر حال اُنکي صحبت' اُن کي شرافت اور سب سے زياده اُن کے رسوخ نے مجهے اُن کي امداد حاصل کرنے پر مجبور کيا - ايک روز صبح هي صبح گهر سے نکل اُن کے مکان پر پهنچا - معلوم هوا که وه حکيم احسان الله خاں صاحب وزير اعظم کے مکان پر تشريف لے گئے هيں - حکيم صاحب کا مکان سرکي والوں ميں تها - واپسي ميں تها - واپسي ميں دروازے پر دريافت

ہر حلقۂ درس میں مجھے لیجاتا - اسي زمانے میں دھلي کالج کي
تنظیم جدید ھوئي تھي - طالب علموں کي تلاش تھي - میں بھي
۱۸ سال کي عمر میں وھاں شامل ھوگیا - ۱۶ روپیہ وظیفہ بھي
مقرر ھوا اور اس طرح میں نے علم کي پیاس بڑي حد تک
بجھائي لیکن یہ وہ زمانہ نہیں تھا کہ علم کو علم کے لئے حاصل
کیا جاتا ' اب اس کے ساتھ گزارے کي ایک بڑي شق لگ گئي
تھي - اس لئے چند دوستوں کے ساتھ مل کر ایک مطبع کھولا
قاضي کے حوض پر مبارک النساء بیگم کي حویلي کرایہ پر لي -
عربي کي مشھور مشھور کتابوں کے ترجمے چھاپے لیکن مطبع جیسا
چلنا چاھئے تھا نہ چلا - یہ اردو شاعري کے شباب کا زمانہ تھا
بادشاہ سے لیکر فقیر تک سب اسي رنگ میں رنگے ھوئے تھے -
خیال آیا کہ ایک مشاعرہ قائم کرکے شعراء کے حالات اور اُن کا کلام
طبع کروں ' ممکن ھے کہ اس طرح مطبع چل جائے مجھے شاعري سے
نہ کبھي لگاؤ تھا اور نہ اب ھے ' بلکہ شعر کہنا میں برا جانتا ھوں '
کیونکہ اھل علم کا یہ پیشہ نہیں ھے - وہ لوگ جو معیشت سے
فارغ البال ھیں اپنا دل بہلانے اور حسرت نکالنے کے لئے شاعري
کرتے ھیں -

میں خود عالم ھوں ' میرے باپ دادا عالم تھے ' بھلا میں تو

میرا نام کریم الدین ھے - میں پانی پت کا رھنے والا ھوں
یہ قصبہ دھلي سے ۴۰ کوس پر بجانب شمال مغرب واقع ھے اور
اپني لڑائیوں کي وجہ سے تاریخ میں مشھور ھے - ھم اچھے کھاتے
پیتے لوگ تھے ؛ مولویوں کا خاندان تھا - لیکن زمانے کي گردش نے
ایسا پیسا کہ کوڑي کوڑي کو محتاج ھوگئے : جائداد ضبط ھوگئي '
میرے دادا صاحب قبلہ ایک مسجد میں جا بیٹھے اور اللہ اللہ کرکے
گزار دي - جب ضبط شدہ جائدادوں کے متعلق دریافت شروع ھوئي
تو توکل نے ان کا دامن پکڑلیا ' اپني جگہہ سے نہ ھلے - نتیجہ
یہ ھوا کہ ھمیشہ کے لئے روٹیوں کا سہارا کھو بیٹھے - میرے والد
سراج الدین مرحوم بمصداق " عصمت بي بي از بے چادري "
متوکل بنے رھے اور مسجد میں ایسے بیٹھے کہ مر اٹھے - میں سنۂ
۱۲۳۷ھ میں عین عید الفطر کے دن پیدا ھوا - میري تعلیم
ان ھي دونوں بزرگوں کے ھاتھوں ھوئي - لیکن بے چین طبیعت
اور خانداني جھگڑوں نے آخر پاني پت چھڑایا اس زمانے
میں دھلي میں علم کا بڑا چرچا تھا - ھر فن کے کاملوں سے
دھلي بھري پڑي تھي ' ھر سمت علم کے چشمے جاري تھے -
" ملا کي دوڑ مسجد " میں بھي پاني پت چھوڑکر دھلي آگیا
کاپي نویسي سے گزارا کرتا ' محنت مزدوري کے بعد ذوق علم

مجلس محدود تھي اور میں نے اس کو اتني وسعت دي ھے کہ اس زمانے کے تقریباً سب بڑے بڑے شعرا کو اس میں لا بیٹھا یا ھے - اب اس میں مجھے کامیابي ھوئي یا نہیں اس کا اندازہ قارئیان کرام فرما سکتے ھیں - اگر ھوئي ھے تو زھے نصیب' میري محنت ٹھکانے لگي ' اگر نہیں ھوئي تو کم سے کم یہي سمجھکر میري داد دي جائے کہ میرزا صاحب نے بات تو اچھي پیدا کي تھي مگر نباہ نہ سکے جو ان سے نہیں ھوا وہ اب ھم کر دکھاتے ھیں" ممکن ھے کہ اس طرح کوئي قلم کا دھني ان "خفتگان خاک" کا کوئي ایسا موقع تیار کردے جو بزم ادب اردو میں سجانیکے قابل ھو -

لیجئے "میں" اب "مولوی کریم الدین صاحب" کي جون میں حاضر خدمت ھوتا ھوں ' لیکن یہ ضرور عرض کئے دیتا ھوں کہ جب میں اپني تمام محنت "کریم الدین صاحب" کي نذر کر رھا ھوں تو جو کچھ برا بھلا آپ کو اس مضمون کے متعلق کہنا ھے وہ مجھے نہ کہئے مولوي صاحب کو کہئے اور خوب دل بھر کر کہئے - میں خوش اور میرا خدا خوش - والسلام -

۲ — تدبیر

ھوس کو ھے نشاط کار کیا کیا
نہ ھو مرنا تو جینے کا مزا کیا

اگر اتنے سارے حیلے ایک جگہ ہي جمع ہوجاتے تو یقیناً یہ مضمون فوج کے چہروں کا رجسٹر بن کر بے لطف ہوجاتا - لیکن ادھر تو آزاد مرحوم کے "نیرنگ خیال" نے دل میں مشاعرہ کا خیال ڈالا ' ادھر کریم الدین مغفور کي کتاب "طبقات الشعرائے ہند" کے طبقۂ چہارم نے رجب سنہ ۱۲۶۱ھ کے ایک مشاعرہ کا پتہ دیا - اب کیا تھا دونوں کو ملاکر ایک مضمون پیدا کرلیا ' رہي رنگ آمیزي اس کي تکمیل میں خود کئے دیتا ہوں - البتہ اچھے برے کي ذمہ داري نہیں لیتا - بحیثیت مورخ سنہ ۱۲۶۱ھ کے واقعات میں خود اس طرح لکھ سکتا تھا گویا سب میرے دید ہیں اور

همچو سبزه بارها روئیده ام
هفتصد هفتاد قالب دیده ام

پر نظر رکھتے ہوئے اس زمانے کا بھي میرا "الم نشرح" بن سکتا تھا - مگر میرے دل نے گوارا نہیں کیا کہ کریم الدین مرحوم کي کامیابي کا سہرا اپنے سر پر باندھوں اور ایسے شخص کو دودھ کي مکھي کي طرح نکال کر پھینک دوں - جس نے اس مشاعرے میں بہت بڑا حصہ لیا تھا ؛ جس کے مکان پر یہ مشاعرہ ہوا تھا اور جو اس مشاعرہ کي روح رواں تھا - یہ ضرور ہے کہ ان کي یہ

اور سب سے زیادہ، کہ اس کے لباس اور وضع قطع کا خیال دل میں رہے تو اس کا کلام ایک خاص اثر پیدا کر دیتا ہے اور پڑھنے کا لطف دوبالا ہو جاتا ہے - ورنہ مصنف کے حالات سے واقف ہوئے بغیر اس کي کسي کتاب کا پڑھ لینا گراموفون کے ریکارڈ سننے سے زیادہ موثر نہیں ہوتا - یہي وجہہ ہے کہ آج کل مہذب ممالک کے کسي مصنف کي کوئي کتاب شائع نہیں ہوتي جس کے شروع میں اس کے حالات درج نہ کئے جائیں اور وہ واقعات نہ دکھائے جائیں جنکي موجودگي میں وہ تصنیف ضبط تحریر میں آئي -

یہي خیالات تھے جنھوں نے مجھے ان چند اوراق کے لکھنے پر آمادہ کیا - اس البم میں آپ ایسي بہت سي تصویریں دیکھینگے جو ان کاملین فن نے اپنے ہاتھ سے خود کینچي ہیں؛ بہت سے ایسے موقعے پائیں گے جو دوسرے کے ہاتھ کے بنے ہوئے ہیں؛ بعض ایسے نقش و نگار ملیں گے جو فوٹو یا قلمي تصاویر دیکھکر الفاظ میں اتارے گئے ہیں؛ اکثر و بیشتر ایسي صورتیں ہوں گي جو خود میں نے بڑے بوڑھوں سے پوچھکر بنائي ہیں - لیکن ہر صورت میں شہادت تائید کے مقابلے میں شہادت تردیدي کو زیادہ وقعت دي ہے - یعني اگر کسي واقعے کے متعلق ایک بھي مخالف بات معلوم ہوئي تو اس واقعے کو قطعاً ترک کردیا -

بچے کھچے رہ گئے تھے - ان کو غدر کے طوفان نے تتر بتر کردیا - جس کو جہاں کچھ سہارا ملا ' وہیں کا ہو رہا - دہلی برباد ہوکر حیدرآباد اور رامپور آباد ہوئے - اکثر شرفا گھروں سے ایسے نکلے کہ پھر ان کو دہلی کی صورت دیکھنی نصیب نہ ہوئی جو رہ گئے ہیں وہ چلنے چلانے کو تیار بیٹھے ہیں ؛ بہت سے اٹھ گئے ' بہت سے اٹھتے جاتے ہیں ' اور ایک زمانہ وہ آنے والا ہے کہ کوئی یہ بتانے والا بھی نہ رہے گا کہ مومن مرحوم کا مکان کہاں تھا ' جس طرح سوائے میرے اب شاید کسی کو یہ بھی معلوم نہیں کہ ان کی قبر کہاں ہے -

اِن حالات کو دیکھ دیکھ کر مجھے خیال آیا (اس خیال کی محرک مومن مرحوم کی تصریر بھی ہوئی کہ " اردو " کے لئے ان سے ایک ایسا تو چراغ روشن کرلوں جس کی روشنی میں آنے والی نسلیں زبان اردو کے ان محسنوں کی شکلیں (خواہ وہ دھندلی ہی کیوں نہ سہی) دیکھ سکیں اور ان کا کلام پڑھتے وقت کم سے کم ان کی صورتوں کا ایک موہوم سا نقشہ پڑھنے والوں کی آنکھوں کے سامنے پھر جائے - جو لوگ علمی مذاق رکھتے ہیں وہ جانتے اور سمجھتے ہیں کہ کسی کا کلام پڑھتے وقت اگر اس کی شکل و صورت ' حرکات و سکنات ' آواز کی کیفیت ' نشیب و برخاست کے طریقے ' طبیعت کا رنگ

کے شاعروں کو کس طرح ایک جگہ جمع کروں۔ اس عقدہ کو
امیر اللہ 'تسلیم' مرحوم کے اس شعر نے حل کردیا۔

جواني سے زیادہ وقت پیري جوش ہوتا ھے
بھڑکتا ھے چراغ صبح جب خاموش ہوتا ھے

اس شعر کا یاد آنا تھا کہ شعرائے دھلي کے آخري دور آنکھوں
کے سامنے پھر گیا اور دل میں یہ بات جم گئي کہ بجائے تمام شعرائے
اردو کے' دھلي کے آخري دور کا نقشہ کھینچ دیا جائے۔قاعدے کي
بات ھے کہ مرنے سے پہلے بیمار سنبھالا لیتا ھے۔ اردو شاعري کے حق
میں بہادر شاہ ثاني کا زمانہ بھي دھلي کا سنبھالا تھا۔ بادشاھت
برائے نام تھي اور جو تنخواہ بادشاہ سلامت کو ملتي تھي اس
میں قلعے کا خرچ بھي مشکل سے چلتا تھا۔ برخلاف اس کے دکن
اور اودہ میں دولت کي گنگا بہ رھي تھي '' دریاے جمنا کي
چمکیلي ریت '' دھلي والوں کے لئے نظر فریب رھي اور '' اُجڑے
دیار '' میں شعرا ھي نہیں ھر فن کے کاملوں کا ایک ایسا مجمع
ھوگیا جس کي نظیر ھندوستان تو ھندوستان دوسرے کسي
ملک میں بھي ملني دشوار۔

زمانہ ایک رنگ پر نہیں رہتا۔ سنہ ۱۸۵۷ ع سے قبل ھي
ان کاملین فن میں سے بہت سے تو ملک عدم کو سدھارے' جو

بقول غالب مرحوم انسان "ایک محشر خیال" ہے لیکن خیال میں حشر بپا ہونے کے لئے کسی بیرونی تحریک کا ہونا لازمی ہے - دماغ خیال کا گنجینہ ہے ' لیکن اس گنجینے کے واسطے کسی ظاہری اسباب کی کنجی کی ضرورت ہے - مجھے بچپن سے شعرائے اُردو کے حالات پڑھنے اور سننے کا شوق رہا ہے ' مگر کبھی کوئی ایسی تحریک نہیں ہوئی جو ان کے حالات کو ایک جگہ جمع کرنے کا خیال پیدا کرتی اور یہ خیالات الفاظ کی شکل میں ظاہر ہوکر ایک خوش نما چلتی پھرتی تصویر بن جائے -

جب کوئی بات ہونے والی ہوتی ہے تو اسباب خود بخود پیدا ہوجاتے ہیں - اتفاق دیکھئے کہ پرانے قدیم کاغذات میں مجھکو حکیم مومن خان ' مومن ' دہلوی کی ایک قلعی تصویر کا ملنا تھا کہ یہ خیال پیدا ہوا کہ تو بھی محمد حسین ' آزاد ' مرحوم کے "نیرنگ خیال" کی محفل شعراء کیطرح ایک مشاعرہ قائم کر ' مگر ان لوگوں کے کلام پر تنقید کرنے کے بجائے صرف ان کی چلتی پھرتی تصویر ہی دیکھا خیال میں رفتہ رفتہ پختگی ہوئی اور اس پختگی خیال نے ایک مشاعرے کا خاکہ پیش نظر کردیا - لیکن یہ سمجھ میں نہیں آتا تھا - کہ مختلف زمانوں

معلی کي سیر ، شعراء دھلي کو دعوت شرکت دینا ۔ ھر ایک کے مکان پر جانا ، ھر شاعر کي طرز زندگي و خصائل و عادات کا معلوم ھونا ، آپس کي نوک جھوک ، شعراء کي آمد کا منظر ، مشاعرہ کي ابتداء شعراء کا انداز بیان اور نمونۂ کلام ، تنقید و تبصرہ طریق نشست وغیرہ ایسے دل کش پیرائے میں تحریر ھیں کہ بالکل یہ معلوم ھوتا ھے جیسے تمام واقعات اپنے سامنے ھو رھے ھیں اور بچشم خود اس مشاعرہ کو دیکھکر حال و قال سے دور ماضي کے لطف اٹھا رھے ھیں جس میں شاہ و شاھزادگان والا تبار اور شاعران دربار ، یکتائے روزگار کي خوبیاں قابل دید و لائق داد ھیں ۔ دل چسپي علاوہ معلومات میں بھي اضافہ ھوگا ۔

راقم : احسن مارھروي

اُردو لیکچرار ۔ مسلم یونیورسٹي ۔ علي گڑھ

سنہ ۱۲۶۱ ھ میں دھلي کا ایک یادگار مشاعرہ

۱ ۔ تمہید

نام ایک رفتگان ضائع مکن

تا بماند نام نیکت برقرار

انتخاب

از

دهلي کا ايک يادگار آخري مشاعره

- مصنفه -

جناب ميرزا فرحت الله بيگ صاحب بي اے - دهلي

تعارف

سنه ۱۲۶۱ ه کا وه يادگار مشاعره جو ابوظفر بهادر شاه آخري تاجدار دهلي کے عهد ميں باهتمام مولوي کريم الدين صاحب هوا تها ميرزا فرحت الله بيگ صاحب دهلوي نے نهايت قابليت کے ساتھ اپني مقبول طرز نگارش ميں قلم بند کيا هے جس کے مطالعه سے اُس عهد کا مذاق شعر و ادب اور قلعهٔ معلی کي بعض خصوصيات معاشرت کا اندازه اس طرح هوتا هے جس طرح چشم ديد حالات و واقعات معلوم هو سکتے هيں -

کارکن مشاعره کي شخصيت ' شاهانه مشاعره کي اهليت ' ظلّ سبحاني تک رسائي ' بادشاه سلامت کا اندازتکلم ' قلعهٔ

شستہ بانکي اور هر قسم کے مطالب کو ادا کر سکنے والي اُردو زبان جو هندوستان کے اکثر حصوں میں بولي جاتي هے اور جو حکمران قوم انگریزي زبان کے ساتھ خاص تشابہ رکھنے کے باعث بالخصوص مرغوب هے هندوستان کي اکثر دیگر زبانوں پر غلبہ حاصل کرتي جائےگي اور بالآخر وہ وقت آجائےگا۔ جب کہ تمام آریہ هندوستان کي زبان ایک هو جائے گي ''۔

اس میں کوئي شک نہیں کہ اُردو زبان اور انگریزي زبان کي تاریخ میں ایک عجیب و غریب مماثلت هے۔ اور ولیم کوپر شاعر انگلستان کے دلفریب الفاظ دونوں پر صادق آسکتے هیں۔

'' اے انگلستان اس مدت مدید کے بعد بھي تیري زبان پر تیرے فاتحین کا اثر نمایاں معلوم هوتا هے۔ شستگي بانکپن اور لطف ادا اس کے خاص جوهر هیں اور یہ خیالات و الفاظ کے ان گرانمایہ سے دمک رهي هے تیرے فاتحین پیچھے چھوڑ گئے هیں ''۔

معمور هوتي هے - اگرچه مستند اردو مصنفین كي تحریروں میں
انگریزي الفاظ و اصطلاحات کو چنداں دخل نہیں هے - تاهم بہت سے
الفاظ آهسته آهسته اُن کي تحریروں میں آتے جاتے هیں - (مثلاً
توبۃ النصوح کے مصنف کے الفاظ انٹرنس - البم - فري مبشن -
ربر - پنسل - ڈاکٹر وغیرہ کو استعمال کیا هے) اور اُن کي طرز تحریر
اور لکھنے کا ڈھنگ انگریزي طرز ادا سے متاثر هوتا جاتا
هے - اس اثر کا نتیجه خود واضح هو جائے گا بیمز صاحب اس
امر کے متعلق یوں پیشینگوئي کرتے هیں -

" غالباً گمان یه هے که ریلوں سڑکوں اور دیگر وسائل آمد
و رفت کي توسیع سے پنجابی اور راجپوتانه کي دیگر مقامي
بولیاں معدوم هوئینگي - جس کا نتیجه یه هوگا که اٹک سے
راج محل تک اور همالہ سے وِندھیاچل تک ایک هي زبان
هندي مفرس یعنے اُردو کا دور هوجائے گا - اس وقت اس زبان
کے بولنے والوں کي تعداد دس کروڑ سے بھي زیادہ هوگي
اور یه زبان اپني عظیم الشان وسعت اور روزافزوں وقعت
کے باعث اپني همسایه زبانوں پر ایک بہت بڑا اثر ڈالے
بغیر نه رهے گي - جوں جوں مقامي اتحاد کے وسائل اور ملک
مختلف حصص کے تعلقات بڑھتے جائیں گے توں توں یه سادي

اس کے مصنفین نے کئي غیر ملکي محاورات کا هندي ترجمه کرکے اپني زبان کے ذخیرۂ محاورات کو زیاده کیا هے مثلاً "محنت کهینچنا پهل لانا" وغیره جو "محنت کشیدن اور بار آوردن" کا ترجمه هیں کتابي هندي کي تو ابتدا هي اس صدي سے هوتي هے - یه گویا اس اثر کا نتیجه هے جو انگریزي تعلیم نے زمانه حال کے هندوؤں پر کیا هے - اگرچه حقیقت میں یه کتابي هندي وهي اردو هے جس میں غیر ملکي الفاظ محاورات کي جگه تصنع سے هندي محاورات اور سنسکرت کے الفاظ استعمال کئے جاتے هیں - یهي وجه هے که هندي زبان بولنے والے ممالک کے تعلیم یافته هندو کتابي هندي کو آساني سے سمجهه سکتے هیں اور برج بهاشا بولنے والے اس کے فهم سے عاري هیں - همارے نزدیک ڈاکٹر هارنل نے جو اردو مشرقي هندي اور مغربي هندي میں امتیاز کیا هے وه بالکل صحیح هے - اور اردو مشرقي اور مغربي هندي سے اس طرح متمیز هے جس طرح انگریزي ڈچ اور جرمن سے -

في زماننا انگریزي زبان کي طرز تحریر اردو زبان پر بهت بڑا اثر کر رهي هے - موجوده اردو اخبارات اور تعلیم یافته هندوستانیوں کي بولي انگریزي زبان کے الفاظ و محاورات سے

متمیز تصور کرنا غلطي هے - اگرچه هندي بولنے والے مقامات میں
مقامي بولیوں کے درمیان بہت سا اختلاف هے تاهم ایک
مشترک بولي متعارف هے - جس کو تمام تعلیم یافته لوگ
استعمال کرتے هیں اس مشترک بولي ابتدا مضافات دهلي سے
هوئي اور هندي کي وه شکل جواس شہر کے گرد و نواح میں بولي
جاتي تهي رفته رفته ایک نئي زبان سمجهکر اختیار کر لي گئي -
بمیز صاحب ٹهیک فرماتے هیں مگر وه اس امر کو نظرانداز کرتے هیں
که اس نئي زبان کا اختیار کیا جانا هي گویا اردو زبان کي
ابتدا تهي - اگر ایسا نه هوتا تو برج بهاشا شمال مغربي هندوستان
کے ایک تهوڑے سے حصے تک هي محدود رهتي اور اس کي حیثیت
ایک معمولي مقامي بولي کي حیثیت سے بڑهکر نه هوتي -
ڈاکٹر هارنل نے ٹهیک کہا هے - که اردو برج بهاشا کي ایک
تبدیل شده صورت هے - جس نے بهاشا کي گردانوں کے اُلجهاؤ
سے اپنے آپ کو آزاد کرلیا هے - اور بعض صیغے جو پنجابي اور
مارواڑي کے ساتهه مختص هیں رکهه لئے هیں - پس اردو بلحاظ
صرف و نحو کے هندي الاصل هے جس میں کچهه مارواڑي اور
پنجابي اجزاء بهي شامل هیں اور بلحاظ الفاظ و اصلاحات کے
اس کي اصل کچهه هندي هے اور کچهه فارسي و عربي وغیره بلکه

حیدرآباد	... ...	۲۷۰۴۰۰
بمبئی	... ...	۱۳۰۱۲۲۲
میزان		۸۰۰۴۲۸۳

مدراس کے اردو بولنے والوں کی تعداد اس تعداد میں کچھہ بہت بڑا اضافہ نہیں کرسکتی لہذا مندرجہ بالا تعداد کم و بیش هندوستان کے خالص اردو بولنے والوں کی سمجھی جانی چاهئے - لیکن یاد رکھنا چاهئے جزئی طور پر اردو زبان کی وسعت ان حدود سے وسیع تر هے - مثلاً پنجاب کے ایک کروڑ مسلمان باشندوں اور ایک کروڑ ۵۵ لاکھہ مسلمان بنگالی بولنے والوں کے درمیان اردو جزواً مروج هے - مزید براں مندرجہ بالا ۸۰ لاکھہ اردو بولنے والوں میں غالباً لکھہ پڑھہ سکنے والوں کی تعداد اس قدر هے کہ شاید کسی اور دیسی زبان کے بولنے والوں میں اس قدر نہ هوگی - یہی حال اُن لوگوں کا هے جو اردو کو بطور زبان ثانی استعمال کرتے هیں - ان لوگوں میں سے اکثر مثلاً اهل پنجاب نے اردو مدرسوں میں پڑھہ کر سیکھی هے -

بعض مغربی مصنفین کی رائے هے کہ اردو هندی سے کوئی الگ زبان نہیں هے - کیونکہ اس کی صرف و نحو کلیۃً هندی اصل کی هے - بمیز صاحب فرماتے هیں کہ اردو کو هندی زبان سے

اس واسطے زبان مذکور کي ادبي تحریکات کے مرکز لاهور اور اله آباد قرار پاگئے هیں -

اردو کي ماں یعني برج بهاشا کا اثر تو دهلي اور آگره تک هي محدود تها مگر ماں کي بیٹي کو خدا نے وہ شرف بخشا که آج شمالي هندوستان میں تین لاکه مربع میل پر اس کا دور دوره هے بلکه جنوبي اور مغربي هندوستان کے بعض وسیع اضلاع بهي اسکي حکومت سے آزاد نهیں اس کے علاوه کئي مقامات میں مقامي بولیوں کے علاوه اردو گویا "زبان ثاني" تصور کي جاتي هے - جس کي وجه سے اردو بولنے والوں کي تعداد کا صحیح اندازه کرنا نهایت مشکل هے باوجود اس اشکال کے هم گریرس صاحب کي تحقیقات کے مطابق زبان مذکور کے بولنے والوں کي تعداد درج کرتے هیں اور صاحب موصوف کا شکریه ادا کرتے هیں - جنهوں نے از روئے کرم همیں اپنا مسوده عطا فرمایا -

پنجاب	... ...	۵۸۹۶۱۱
صوبجات متحده اور اوده	...	۳۴۸۶۳۶۰
بنگال	... ...	۱۶۷۲۴۷۸
راجپوتانه وغیره	...	۵۲۹۰۸۹
ممالک متوسط	...	۱۵۵۰۱۴

که اردو نثر نویسوں نے بالعموم ایسي طرز تحریر کو اختیار کیا جو وقت کے تقاضے سے خود بخود پیدا هوئي - اور جو بغاوت سے آزاد هونیکي وجه سے عوام کے فهم اور سمجهه کے عین مطابق تهي -

موجوده صدي میں اردو نثر کي ترقي کے تین بڑے قومي اسباب هوئے هیں اول چهاپه خانه کي ترویج جو مسیحي واعظوں بالخصوص سیرام پور کے واعظوں کي وساطت سے هوئي - دوم زبان انگریزي تعلیم جو سنه ۱۷۳۲ ع سے مسیحي واعظوں اور واعظوں اور بالخصوص ڈف صاحب کے مساعئ جمیله سے شروع هوئي اور جس نے هندوستان کي زبانوں پر مغربي علمي خزائن کے دروازے کهول کر اُن پر وه احسان کیا جو گم شده یوناني علم ادب کي دریافت نے یورپ کي زبانوں پر کیا تها - مغربي علوم و فنون کي هوا نے اردو زبان میں ایک نئي روح پهونکدي هے اور شاید هندوستان کي کوئي اور زبان اس مغربي اثر سے اس قدر متاثر نهیں هوئي - جس قدر که یه زبان هوئي هے - سوم اردو زبان کا فارسي کے بجائے درباري زبان قرار دیا جانا اس واقعه کے اثر نے پٹنه اور پشاور کے درمیاني ممالک کو اردو کے زیر نگیں کردیا هے - اور چونکه دهلي اور آگره کو دارالخلافه هونے شرف نهیں رها

اردو زبان میں کثرت سے داخل ہوتے جاتے ہیں - اٹھاروں صدي کے اختتام کے قریب (۱۷۹۰ ع) اردو نثر کا پہلا نمونہ شاہ عبد القادر صاحب کا ترجمہ قرآن شریف شائع ہوتا ھے - مگر چونکہ اس کے مصنف نے عربي محاورات و الفاظ و استعارات کي اندھا دھند تقلید کي ھے - اِس واسطے یہ ترجمہ تصانیف ادبیہ میں شمار کئے جانے کا مستحق نہیں ھے -

آخر اُنیسویں صدي کے شروع میں اردو مصنفین نے یہ محسوس کیا کہ نثر اظہار خیالات و تاثرات قلبي کا ایک موزوں آلہ ھے - اس میں کوئي شک نہیں کہ اردو نثر کي نشو و نما میں ایک بیجا تعویق لاحق ہوئي ھے - تاہم تعویق اپنے فوائد سے خالي نہیں رھي - مسٹر بیمز فرماتے ھیں -

" بد قسمتي سے قریباً ہر ہندوستاني زبان کا یہي حال رہا ھے - کہ جب مصنّفین نے اس زبان میں لکھنا شروع کیا تو اُن کي طرز تحریر سے قدرتي رنگ معدوم ہوگیا اور تصنع اور بناوٹ نے یہاں تک زور پکڑا کہ متاخرین نے متقدّمیں کي طرز تحریر کو بغیر کسي تبدیلي کے اختیار کرلیا " - لیکن اردو زبان اس قید سے مستثنیٰ تھي اس میں کوئي شک نہیں کہ بعض فارسي تصنیفات تقلید سے اسے نقصان پہنچا تاہم یہ صحیح ھے

آميزش سے انگريزي زبان کا آغاز هوتا هے اسي طرح هندوستان
ميں فاتحوں اور مفتوحوں کي زبانوں کي آميزش سے يا يوں
کہو کہ فارسي اور برج بھاشا کے ازدواج سے اردو زبان پيدا
هوتي هے - فارسي بولنے والے مسلمان سپاهي روزمرہ کے کاروبار
ميں جن کو دهلي اور آگرہ کے باشندوں کے ساتھ برتاؤ کرنا پڑتا
تھا - اس آميزش کے اور بھي ممد هوئے يہاں تک کہ هندي
مصري - قشون شاهي يعني اردوئے معلی کے نام پر اردو کہلانے لگي -

حکومت مغلية کي توسيع کے ساتھ ساتھ شمالي اور کسي
حد تک جنوبي هندوستان ميں بھي تعليم يافتہ
لوگوں ميں اس زبان کي ترويج هوتي گئي اور هندوستاني
مسلمان مصنفين کي فارسي تواريخ و اشعار کے ساتھ اس
نئي زبان کا بھي علم ادب ترقي کرتا گيا - دو صديوں تک تو يہ علم
ادب صرف مذهبي اور عاشقانہ نظموں تک هي محدود تھا -
جن کے مطالعہ سے زبان کي تدريجي نشو نما کا سراغ ملتا هے ليکن
سولہويں صدي کے اختتام سے پيشتر مسلمان شعرا کي طبع آزمائياں
شروع هوتي هيں - اگرچہ ان کا عروض اور ان کي زبان زيادہ تر
هندي اصل کي هيں سنۂ ۱۶۰۰ کے قريب اردو شعرا فارسي سجور کا
استعمال شروع کرتے هيں اور رفتہ رفتہ فارسي الفاظ و محاورات

زبان اردو

اردو کي زبان ابتدا شہنشاہ اکبر (۱۵۵۶-۱۶۰۵) کے عہد سے هوئي هے همايوں کے عهد ميں سلطنت مغليہ مضافات دهلي و آگرہ تک هي محدود تهي - مگر اکبر کي ذکاوت اور اس کي قوت انتظام نے اِس چهوٹے سے علاقہ کو ايک عظيم الشان سلطنت بنا ديا - جو کابل اور قندهار کي سرحد سے شروع هوکر اوڑيسہ اور حدود آسام تک پہنچتي تهي- اس کا دارالخلافہ کبهي شهر دهلي هوا کرتا تها اور کبهي آگرہ اور ان شہروں کے درمياني اضلاع کي زبان مغربي هندي کي ايک شاخ تهي جس کو برج بهاشا کے نام سے موسوم کيا جاتا هے - غالب خيال يہ هے کہ اکبر کے عهد تک مسلمان بهي هندوؤں کے ساتهہ ميل جول رکهنے ميں يہي برج بهاشا بولا کرتے تهے - مگر شہنشاہ مذکور کے زمانے سے اِس تغير کا آغاز هوتا هے جس کا نتيجہ بالاخر يہ هوا کہ ضرورت نے ايک نئي زبان پيدا کردي اکبر کے کئي وزرا بالخصوص وزير صيغۂ مال هندو تهے - جن کو تقاضائے وقت کي وجہ سے اس وقت کي درباري زبان يعني فارسي سيکهني پڑي - جس طرح انگلستان ميں شاهان نارمن کے عهد سے اينگلو سکسن اور نارمن فرنچ کي

کے دوسرے رخ کو بھي دیکھو - غور کرو - دنیا میں کتني مصیبت ہے کتني بیماریاں ہیں کتنا افلاس ہے کتني لڑائیاں کیسي خونریزیاں ہیں بجلي کتنے خرمن جلاتي ہے آگ کتنے گھر پھونکتي ہے موت کیسے کیسے خاندان تباہ کرتي ہے غرض ہزار آفتیں ہیں - اور ایک انسان کي جان - ع

ہرچہ آید بر سر فرزند آدم بگذرد

یہ بیچارہ حسب ستم سہے جاتا ہے اور آف نہیں کرتا ہے '' - مگر یہ شکایت کرنے والے خواہ کتنے ہي حق بجانب ہوں - انہیں یاد رکھنا چاہئے کہ دنیا اضداد سے پیدا کي گئي ہے ہر ایک چیز کا وجود اس کے ضد کے وجود کا مقتاضي ہے - دھوپ کے ساتھ سایہ لگا ہوا ہے - اور دھوپ کا احساس نا ممکن ہوتا اگر ساتھ سایہ نہ ہوتا - ایک مثبت ہے - دوسرا منفي - دونو لازم و ملزوم ہیں - دیکھنا یہ ہے کہ حکمت بالغہ کا مقصد اصلي کیا ہے اور اس میں انسان کا کیا حصہ ہے نگاہ میں وسعت اور عمق پیدا ہوجائے تو تمام تکالیف خیر محض دیکھائي دیں اور منفي کي تہ میں کچھ مثبت پنہاں نظر آنے لگے - یہي وہ سرمہ ہے جس کے لگاتے ہي آنکھ گرد و پیش جنت دیکھتي ہے - اور دل مرحوم داغ شیریں بیان کے ساتھ آھنگ ہوکر گاتا ہے - کہ دنیا بھي اک بہشت ہے -

میں حسن انسانی کے فدائیوں کو دیکھو۔ ان میں کئی ایسے خوش
قسمت ہیں ۔ جو اِس آرزو میں کامیاب ہوتے ہیں اُن کی نظر
پڑتی ہے ۔ آخر اُس سے ملنا ہو جاتا ہے ۔ دنیاوی رسوم اور
مذہبی قوانین دونوں اِس اِتحاد کو تسلیم کرکے اپنی منظوری کا
سہرا طالب و مطلوب کو پہناتے ہیں ۔ اور دعا دے کر رخصت
کرتے ہیں کہ جاؤ ۔ خوش رہو آباد رہو ۔ پھلو پھولو ۔ آگے چل کر
درخت امید ثمر لاتا ہے ۔ حسن پھر نئی کونپلیں نکالتا ہے ۔ ماں باپ
لڑکے لڑکی کی پیشانی میں پھر اُسی نور کی جھلک دیکھتے ہیں ۔
جس نے اُنہیں جوانی میں ایک دوسرے کا والۂ و شیدا
کیا تھا ۔ اور دیکھ دیکھ کر خوش ہوتے ہیں ۔ اُس کی
ہر ایک بات میں اپنی کسی عادت ۔ کسی خصلت کسی کمال
ظاہری یا باطنی کا نقش دیکھتے ہیں اور باغ باغ ہوتے ہیں ۔
یہ وہ خوشی ہے ۔ جس کے ساتھ کی دنیا میں کوئی اور مسرت
نہیں ہو سکتی پس پوچھو کہ آیا جو نعمتیں جائز کی گئی
ہیں ۔ اُن کا پلڑا ممنوعات اور مکروہات دنیا سے بھاری ہے یا نہیں ۔
یہ خوش قسمت جوڑا جو جواب اِس سوال کا دیگا وہ تو ہم سمجھ
ہی سکتے ہیں ۔ لیکن ممکن ہے کہ کوئی اور یاس و حرمان کا ستایا
ہوا دل پکار اُٹھے ۔ دنیا کی خوبیاں توگن ڈالیں ۔ مگر تصویر

یا اُن سے پرے تک دیکھتے ھیں - لیکن اگر آدمي غور کرے تو قدرت نے سبق پڑھانے میں اور سبقوں کي ترتیب مکمل اور آسان کر دینے میں کوئي دقیقہ نہیں اٹھا رکھا - اُس بینائي پر حیف ھے جو اتني قریب مثال کے ھوتے یہ کہے - کہ مجھے نظر نہیں آتا - تو میں کیوں کر مانوں - میں دیکھہ نہیں سکتا تو میں کیونکر متاثر ھوں - میں دور ھوں - میں کیا کروں -

بریں دو دیدۂ حیران من ھزار افسوں
کہ با دو آئینہ رویش عیاں نمي بینم

لیکن ھم تو دنیا سے آگے نکل چلے - ابھي تو اسي کي دلچسپیاں ختم نہیں ھوئیں خیر اُن کا ختم ھونا تو مشکل ھے - مقصد صرف یہ ھے کہ اُن میں سے جس ایک سلسلے کا بیان ھم نے شروع کیا تھا - اُس زنجیر کے ایک دو حلقے ابھي باقي ھیں - ھم نے حسن کا نام لیا تھا - اُن چند لوگوں کو چھوڑ کر جو "حسن" کي جھلک کوہ دریا اور دیگر مناظر قدرت میں دیکھتے ھیں اور اس سے پھاند کر منزل کو جا لیتے ھیں - حسن انساني میں دیکھہ کر دور ھي سے تڑپتے ھیں اور تڑپتے تڑپتے منزل پر جا رھے ھیں - اُن بیشمار مثالوں کي طرف آؤ - جو "حسن" کو دیکھہ کر اُس کو اپنا بنانے کي آرزو کرتے ھیں - اور آساني کے لئے اِس صیغے

اثر ڈالتي ہے - کبھي کبھي دل تک بھي پہنچتي ہے - برف
و باران کي وجہ سے ہو تو ایک نظر بھي آتي ہے پر اُس قسم
کي نہیں جیسے طباشیر اور سرد چیني - کہ کھائیں اور زبان سے
لے کر دل تک ٹھنڈک پہنچ جائے - دوم درجے کي مادي اشیاء
کے بعد خوشبو سبق دینے آتي ہے کہ اس کا سبب تو نظر کے سامنے ہے -
مگر وہ خود نظر نہیں آتي ہاں اس کا اثر موجود ہے - اس کے
بعد ایک چیز آتي ہے - خوشبو سے بھي بدرجہا زیادہ لطیف ہے
اور وہ حسن ہے - دیکھتے ہي دل قابو سے نکلا جاتا ہے اُس میں
ایک بیقراري اور تڑپ محسوس ہوتي ہے - ایک قسم کي لذت
اس نظّارے میں شامل ہے - اپنے ساتھ درد کي کیفیت بھي
رکھتي ہے - اس پر اتني مرغوب ہے کہ کوئي اُس درد سے خالي
نہیں رہنا چاہتا - لذّت اور سب لذّتوں سے نرالي ہے - نہ اس کو
کسي لذت سے تشبیہ دے سکتے ہیں نہ اس کو کسي طرح بیان
کر سکتے ہیں - بس اس کے آگے حسن مطلق کي شناخت تک
ایک ہي زینہ رہ جاتا ہے - مگر انساني بصیرت کي معمولي حد
یہیں تک ہے - یہاں پہنچ کر بہت سي آنکھیں خیرہ ہو جاتي ہیں -
اور آخري زینے پر نظر ڈالنے کي نہیں لا سکتیں کم لوگ ہیں جو
آخري زینے پر کھڑے ہو کر موجودات عالم پر نظر ڈالتے ہیں

دور سے آرهي هو اور تمهيں اپني طرف بلا رهي هو۔ تو ضرور جي چاهے گا که وهيں جهونپڑا بنا لو۔ اور بيٹهہ رهو۔ اگر يه نهيں نصيب هوا۔ تو فصل گل ميں کسي باغ ميں جا نکلو۔ خوشبوئيں تو اچهي اچهي هيں۔ مگر موتيا کهلي هو تو معلوم هو که تيزي کے ساتهہ مستي کس حکمت سے ملائي گئي هے۔ اور پهر کيوڑے کي جنون انگيز خوشبو۔ کرنے کي جانفزا مهک اور بيد مشک کي سوکهي لکڑي ميں دهاني رنگ کے پهول اور انکي بهيني بهيني بو۔ کوئي کس کس حسن پر جان دے۔

أستاد قدرت کي أستادي قابل ديد هے۔ ذهن انساني کي ترقي کے لئے کيسا زينه بنايا هے۔ مادي اشياء سے اس مکتب ميں ابجد شروع هوتي هے اُن کا ذائقه حسن کو گرويده کرتا هے۔ اس کے بعد درجۂ دوم کي مادي اشياء آتي هيں مثلاً سردي۔ گرمي جن کے متعلق کهانا استعارے کے طور پر بولتے هيں۔ ليکن جو في الحقيقت کهانے اور چکهنے ميں نهيں آتيں دهوپ نظر بهي آتي هے۔ محسوس بهي هوتي هے۔ بدن پر اثر بهي چهوڑتي هے۔ مگر پهر بهي ايسي چيز نهيں جيسے لونگ اور دارچيني که کهانے سے بدن ميں حرارت معلوم هو۔ اسي طرح سردي بدن کو لگتي هے۔ دماغ پر

آم کو بھلادیں سمجھتے ہو کہ کتاب مقدّس میں پرانوں کی کہانی بیان ہوئی ہے مگر یہ معلوم نہیں کہ تمہارے دلوں کا بنانے والا اور جاننے والا اس کہانی کے بیان کرنے میں فطرت انسانی کا راز بتا رہا ہے - تاریخ روز اپنے آپ کو دہرا رہی ہے - اور تمہیں خبر نہیں ہوتی -

ذائقے سے کہیں نفیس وہ حس ہے - جسے شامہ کہتے ہیں - اس میں نہ کچھ کھانا ہے نہ پینا - نہ چھونے کی ضرورت ہے - صرف کسی خوشبو کے قریب آنے کی دیر ہوتی ہے کہ مشام جان تازہ ہوجاتا ہے - دل میں مسرت محسوس ہوتی ہے - باچھیں کھل جاتی ہیں خدا جانے اس میں کیا تاثیر ہے - اور اس سے اڑکر پہنچنے کی طاقت کہاں سے پائی ہے - کہ آنکھ کو کوئی سبب نظر نہیں آتا - اور طبیعت ہے کہ خوش ہوئی جاتی ہے - آدمی ایک ٹھنڈا سانس کھینچتا ہے - کہ شاید سانس سے شامل ہوکر یہ نعمت اندر چلی جائے اور اپنی ہو رہے مگر نہیں - وہ ایک گذران لطف ہوتا ہے - جو پل بھر میں چل دیتا ہے - اور وہی سانس جو اندر سے واپس آتا ہے توگرم اور افسردہ ہوتاہے اور اس میں خوشبو کا گو پتہ نہیں ہوتا - کبھی ایسے جنگل میں گذر ہو - جہاں گلاب کا تختہ کھلا ہوا ہو - یا جہاں اور پہاڑی پھولوں کی مہک

موجود هے - آلوچه اور خوباني کا قدرت نے اپنے هاتهہ سے جوڑا
ملایا هے - هرے بادام اور سبز پستے - ان سب کو روز چکھتے هو - اور
پهر کهتے هو " هم پر مَنّ وَ سَلْویٰ نهیں اترتا " اس بڑا خوان کرم
کون بچها سکتا هے - اور کس نے کبهي بنچهایا - [1] مَائِدَةٌ مِّنَ السَّمَاءِ کي
تفسیر هے - کوئي اپنا پکایا ایک کهانا تو ان ' بهشتي ' کهانوں کے
مقابله میں پیش کرو - اور تمهارے پکائے هوئے کهانے کیا هیں انهیں
کهانوں کي نا مکمل نقل هے - حلوائے بادام بناتے هو - که بادام کے
ذائقے سے کسیقدر مشابه هو - اگر قدرت کے عطا کئے مصالح نه هوں
تو تمهارا کوئي کهانا مکمل اور مزے دار نه هو - طرح طرح کي
رقعه دوزي کرکے اسے ان چیزوں سے سجا لیتے هو تو تمهارا دسترخوان
پر رونق هوجاتا هے - اور یه مَنّ وَ سَلْویٰ بغیر اقرار احسان کے کهاتے کهاتے
جب تهک جاتے هو [2] ' بَقْلِهَا وَ قِثَّائِهَا ' پکارنے لگتے هو - اس
وقت گاجر ' مولي ' لهسن ' پیاز ' ماش اور مسور کي دال '
کهیرا ' ککڑي وه مزا دیتے هیں - که سیب و انگور اور سردے اور

---

(۱) حضرت موسیٰ کي اُمت نے اُن سے کها تها که همارے لئے پکا پکایا کهانا اور چنا چنایا دسترخوان آسمان سے اُترے تو مانیں آخر من و سلویٰ اُترنے لگا -

(۲) لیکن جب کهاتے کهاتے تهک گئے - تو سبزي ککڑي چنے اور مسور کي دال مانگنے لگے -

برق کہتے ہیں - یہ پہلے صرف چمک کر ایک آن واحد میں غائب
ہوجاتي تھي - اور انسان کي شایق نظر کو ایک جھلک دکھا کر
اس سے اپنا چہرہ چھپا لیتي تھي - اسے دیکھہ کر انسان
پہلے دھل جاتا تھا یا غش کھاکر گرپڑتا تھا - اب یہ بھي
عقل انساني کي ترقي کے آگے سر تسلیم خم کئے ہوئے ہے -
انسان کبھي اسے پیام بري کي خدمت سپرد کرتا ہے اور اس پر
غضب ہے کہ جس نے یہ عظمت اور عزت دي اس کا شکر ادا
نہیں کرتا -

تمتّع کے موقعے اس کثرت سے ہیں - کہ ان کي کثرت طبیعت کو
ان سے غافل کردیتي ہے - کھانے کي چیزوں ہي کو دیکھو - سرد
ملکوں کے خوش ذائقہ انگور اور گرم ملکوں کے مرغوب میوے آم
اور خربوزے قوت ذائقہ کے لئے اس سے بڑھہ کر لذت کیا چاہتے ہو -
لوگ انہیں بہشتي میوے کہتے ہیں اور مراد یہ لیتے ہیں کہ
یہ بہشت سے آئے ہیں - کتنا بھونڈا تخیل ہے یہي کیوں نہیں
کہتے - یہ بہشت ہے جس میں ایسے ایسے میوے میسر ہیں - اور
انہیں پر کیا منحصر ہے - اپني اپني جگہہ ایک سے ایک بڑھکر ہے -
رنگترہ اور نارنگي کھاؤ تو قلب کو تفریح ہو اس سے بڑھکر انکي خوبي
کیا ہوگي - کہ مادي چیزیں ہیں - مگر تفریح قلب کا مادہ ان میں

انسان نہ دیکھے اور بات ہے ورنہ خود اُس سے کئي درجہ
افضل چیزیں حکمت ایزدي سے اس کي خدمت میں مصروف
ھیں - آفتاب اُس کے لئے سمندروں کے پاني کو ابالتا ہے اُن کے
بخارات کو اُڑا کر بادل بناتا ہے - بادل برستے ھیں تو زمیں
سرسبز ہوتي ہے - پھر آفتاب چمکتا ہے تو کھیت پکتے ھیں اور
میوے کھانے کے لایق بنتے ھیں - ھوا جو انسان کي زندگي کا
سہارا اور بہت سي چیزوں کي ھستي کا راز ہے - انسان کے لئے
چکي تک پستي ہے - پاني چلتا چلتا انسان کے سو کام کرجاتا ہے -
کھیتوں میں سے ھوںکلا تو وہ ہرے ھوگئے - باغ میں جا پہنچا تو اس
میں پھل پھول آگئے کشتي کو اُس کي چھاتي پر رکھکر کہہ دو
بھئي ذرا اسے بھي ساتھہ لئے جانا - تو اسے عذر نہیں اس میں
دس بیس سو پچاس یا زیادہ، آدمي چڑھ بیٹھیں تو اسے کچھہ
پرواہ نہیں - اور تو اور بوجھہ جتنا اور جس قسم کا چاھو لادو
انکار نہیں - بہالے لئے جاتا ہے - آگ آدمي کے لئے کھانا
پکاتي ہے - روشني مہیا کرتي ہے اور اس کے سوا کسي اور کام میں
جوت دو تو اپني قوت خدمت کے لئے حاضر کردیتي ہے - ریلوے
کے انجن - دخاني جہاز - اور کارخانوں کي کلیں آگ ھي کے
زور سے چل رھي ھیں - ان قوتوں سے بالاتر ایک قوت ہے جسے

یہ سب دولتمندوں کے لئے ہے - مگر غریب بھي خدا کے
فضل سے محروم نہیں - لاکھہ دولتوں کي ایک دولت
قناعت ہے - جس کو نصیب ہو - اور غریبوں میں امیروں کي
نسبت اس کا وجود زیادہ ثابت ہے - امیروں کو جوں جوں
آرام کے اسباب ملتے جاتے ہیں - کہے جاتا ہے اور غریب کو
جو مل گیا - اُسي کو صبر شکر سے لیکر بال بچوں میں خوش ہو
بیٹھتا ہے - گرمي میں دوپہر کے وقت درختوں کا سایہ آسے
خسخانے سے بہتر ہے اور سردي میں سورج اس کے کمرے کي
انگیٹھي ہے - رات کو اگر مکلف لحاف میسر نہیں تو کیا ہوا
گدڑي یا کملي میں لپٹا ہوا یا چند سوکھي لکڑیوں کا ایک
ڈھیر جمع کرلیتا ہے اور اُن کو جلاکر اُس کے قریب رات کاٹ
دیتا ہے - گھر ہو اور اس میں اتفاق تو ایسي غریبي بھي
کٹ جاتي ہے - اور پھر دولت تو ڈھلتي ہولي چھاؤں ہے کیا
جو غریب ہیں وہ ہمیشہ غریب ہي رہیں گے - کیا اُن کي
یا اُن کي اولاد کي کبھي نہیں سنی جائیگي ؟ امید اُنکے
کان میں یہ خوش آیند آواز ڈالتي ہے -

رسید مژدہ کہ ایّام غم نخواھد ماند
چناں نماند و چنیں نیز ھم نخواھد ماند

صدا هے - اور دنیا بھرکي مختلف اصوات کے ملنے سے جو آواز
پیدا هوتي هے - جس کا نام عوام کي اصطلاح میں "شور هے"
اُسے درد آشنا اهل دل مختلف سروں کا ارگن سمجھتے هیں -
اُن کے خیال میں کوئي سر غلط نهیں اور کوئي صورت قبیح نهیں -
گرمي کے دن اور اُن میں ٹھنڈا پاني سردي کے دن اور
اُن میں سورج اور دھوپ برسات کا موسم اور اس میں ابر
اور گھٹائیں - بهار کي فصل اور اُسکا جوبن - سب نعمتیں هیں -
جن میں انسان کا حصه هے - قدرت نے اُسکي حفاظت کا هر موسم
اور هر آب و هوا کے مطابق کچھ نه کچھ بندوبست کیا هے -
اور اس پر قادر مطلق کا یه احسان مزید هے که اس کو ایک چیز
ایسي دے دي هے جس کے زور پر یه نه صرف اپني حفاظت
کا بلکه اپنے آرام اور آسایش کا پورا پورا سامان کرسکتا هے -
اور وه چیز عقل هے - عقل انساني نے صفحه قدرت کے متن پر
خوب خوب حاشئے چڑھائے هیں اور ان میں عجب گلکاریاں کي هیں -
خسخانه و برفاب راحت گرما هیں تو قهوه خانه وگرما به راحت سرما -
باریک ریشمي ململ اور جالیاں گرمي کے لئے اور سمور
اور پشمینه سردي کے لئے پهننے کا سامان هیں - جاڑوں کي
راتوں کے لئے لحاف اور گرمیوں کي تپش کے لئے پنکھے -

اگر باریک بیں نگاہوں سے دیکھو تو ایک ایک جامع اوصاف ہے
شکل پر کیا موقوف ہے - جوہر اچھے ہوں تو کیا دل نہیں
لے لیتے ؟ شتر سوارے پوچھو جس کی سانڈنی لق و دق اور
بے آب و گیاہ میدان کے کالے کوسوں کی منزل طے کرکے
آئی ہے - کہ اُترتے ہی اُس کے گلے سے لپٹا جاتا ہے - اپنی
آسایش کی فکر پیچھے کرے گا - پہلے اپنی وفادار سواری کے لئے
آب و دانے کا بندوبست کرلے - تیزگام تازی اپنے یکہ تاز سے
وہ پیار لیتا ہے کہ کسی معشوق کو کم نصیب ہو جس حرماں
نصیب بڑھیا کے لڑکے لڑکیاں اُسے چھوڑ کر چل دیئے ہوں
اور جسے تنہائی کی مونس ایک بلی نصیب ہوئی ہو-
اُس سے اُس بلی کے حسن دلفریب کی تعریف سنو-
اور جن ملکوں میں کتوں کو پالنے کی رسم عام ہے اور مذہباً
کوئی نفرت ان سے موجود نہیں - وہاں ذرا کتوں کی قدردانی
ملاحظہ کرو - اچھی اچھی حسن کی پتلیاں اُن پر قربان
ہوئی جاتی ہیں - اور کہتی " اوحسن کی کان - او ملاحت کی
جان " اس بڑھیا کے کان بلی کی میاؤں ہی میں موسیقی
کے سارے سرتال موجود پاتے ہیں - اور کتے کی وفا کی فدائی
جوان عورت کے نزدیک اس کی آواز چنگ و دف کی

بادِ صبا کی اٹکھیلیاں - چلتے ہوئے پانی - بہتی ہوئی ندّیاں شفّاف جھیلیں - زخّار سمندر - آسمان سے باتیں کرتے ہوئے پہاڑ اور ان کی برف سے ڈھنپی ہوئی چوٹیاں - پھولوں کے تختے اور پھولوں سے لدی ہوئی ڈالیاں - درخت اور انکے ہرے ہرے پتے - سبزہ اور اس کا فرش زمردیں - پکتے ہوئے کھیت اور ان میں قوت زندگی سے بھرے ہوے سنہری خوشے - نگاہ کے لئے جنت نہیں تو کیا ہے؟ بلبل اور اسکی خوش نوائی - فاختہ اور اس کی 'کوکو' - کوئل اور اس کی 'کوک' پپیہا اور اس کی 'پی' - یہ نغمہ نہیں تو کیا ہے؟ اسی کو تو فردوس گوش کہتے ہیں قدرت کا یہ ساز ہر وقت تمہارے خوش کرنے کو تیار ہے اس کا سازندہ نہ کبھی تھکتا ہے نہ اس کی آواز میں ضعف آتا ہے یہ وہ ساز ہے جس کے لئے بگڑنا نہیں بنا - اور قدرت کا حسن کچھ بمناظر کوہ و دشت اور باغ و راغ پر ہی ختم نہیں ہوگیا - نہ اسکی آواز پرندوں کی خوش الحانی تک محدود ہے - آنکھ بینا ہو تو ہر جگہ حسن کا جلوہ ہے - غزال کی آنکھ اور مور کے پر اور شیر کی کھال تو خوب صورت مشہور ہی ہیں - مگر جن جانوروں کو حسن سے بظاہر کچھ خاص مناسبت نہیں - ان کو

اُلجھنوں سے قطع نظر کرکے اسکي بیشمار دلچسپیوں کا دھیان کیا ہے اور شکرگذاري کا ثبوت دیا ہے اور غفلت کیش انسان کو یاد دلایا ہے - کہ اُسے خالق نے کیسي کیسي نعمتیں بخشي هیں - جن سے وہ هردم هر لحظه فائدہ اُٹھاتا ہے اور اس پر احسان مندي کا یہ حال ہے - ذرا سي تکلیف پہنچے اسے دنوں - مهینوں بلکه برسوں یاد رکھے اور هر ایک سے اسکي شکایت کرتا پھرے اور جو لطف هر گھڑي نصیب هوا ہے اسے بھول جائے - اور اس کا شکر زبان پر لانا تو درکنار دل میں بھي کم آنے دے - جو قیود مذاهب نے بعض چیزوں کے متعلق لگادي هیں - ان سے تو گھبرائے لیکن ان کے مقابل جو جو چیزیں جائز کردي کھول کر ان حظ اٹھاؤ - ان کا ذکر نه کرے بِنِعْمَةِ رَبِّكَ فَحَدِّثْ(۱) کا مفهوم اگر ذهن میں رهے تو ایسي غفلت ممکن نهیں - مگر نسیان تو اس کي گھٹي میں پڑا ہے - مبارک هیں وہ لوگ جو احسانات الٰهي کو نهیں بھولتے - اور ان کے سامنے دنیا کي معمولي کلفتوں اور رنج کي کچھ حقیقت نهیں سمجھتے -

ذرا آنکھ کھول کر دیکھو - کیا بهار ہے ! نسیم کے هلکے جھونکے

---

(۱) قرآن مجید میں ہے - نعمتوں کا ذکر کر -

انتخاب از انتخاب مخزن

مرتبۂ

خان بہادر شیخ عبد القادر صاحب

—•—

دنیا کي دلچسپیان

دنیا بھي اک بہشت ھے اللہ رے کرم

کن نعمتوں کو حکم دیا ھے جواز کا

آدمي بسا اوقات تکالیف کے صدموں سے گھبرا کر یا مصیبت کي سختیوں سے اکتا کر کہہ اٹھتا ھے - دنیا میں کیا آئے ایک آفت میں پھنس گئے - یا "دنیا ھے - کہ ایک سلسلۂ مصیبت" کوئي اسے دوزخ سے تشبیہ دیتا ھے - کوئي "دارالمحن" کے نام سے یاد کرتا ھے - گو عملاً سب اسکي محبت میں مبتلا ھیں - اور سوائے چند خدا رسیدوں کے یہاں سے کوچ کرنے کو کوئي بھي پسند نہیں کرتا - تاھم ایک زمانہ ھے کہ اسے برا کہنے پر تُلا ھوا ھے - ایسي حالت میں اُس حق پسند کي نظر غائر کي داد دیني پڑتي ھے - جس نے دنیا کي

جن کا فاصلہ ایک دوسرے سے سو میل سے زیادہ نہیں - ان میں سے ایک جزیرے میں مرد رہتے ھیں اور دوسرے میں عورتیں - کبھی کبھی مرد عورتوں کے جزیرے میں چلے جاتے ھیں اور کبھی عورتیں مردوں والے جزیرے میں آجاتی ھیں - لیکن یہ ضروری ھے کہ چھہ مہینے سے پہلے اپنے اپنے جزیروں میں واپس آجائیں ورنہ فوراً مر جائیں گے - اگر کوئی شخص اس مقررہ میعاد کے بعد ایک دن بھی دوسرے میں ٹھہر جاتا ھے تو فوراً مر جاتا ھے -

یہاں سے روانہ ھوکے پانچ روز میں عدن پہونچا جو نہایت با رونق شہر ھے اور جس میں بڑی بڑی عمارتیں ھیں - یہاں سے سات روز جہاز میں چلنے کے بعد بندرگاہ بارھرہ پہونچا - اور وہاں سے ایک مہینے کے سفر کے بعد بحیرہ قلزم کے ایک بندرگاہ جدے میں آیا اور وھاں سے دو ماہ کے بعد کوہ سینا کے قریب لنگر انداز ھوا -

یہاں سے میں خشکی کے راستے روانہ ھوا اور ریگستان میں ھوتا ھوا مصر کے شہر قاھرہ میں آیا جہاں میری بی‌بی اور دو بچوں نے انتقال کیا - آخر اتنا بڑا دریا اور خشکی کا سفر کرکے پچیس سال بعد میں اپنے وطن شہر وینس میں پہونچ گیا -

هے - هندوستان کا یه بڑا تجارتي شهر هے یهاں مرچ - لاکهه -
سونٹهه - دارچیني اور هڑ وغیره چیزیں پیدا هوتي هیں -

کالي کٹ سے چل کے پندره روز میں شهر کهمبات پهونچا -
جو سمندر کے کنارے باره میل کے رقبے میں آباد هے - یهاں
لاکهه - هڑ - سن اور ریشم پیدا هوتا هے - یهاں برهمن آباد هیں -
جو پوجاري کهلاتے هیں - یه فقط ایک شادي کرتے هیں - اور
وه بیوي انکے مرنے پر زنده جلادي جاتي هے یه برهمن کسي
قسم کا گوشت نهیں کهاتے فقط چانول - دودهه اور ترکاریوں
پر بسر کرتے هیں - یهاں وحشي چوپائے بهت زیاده هیں - اُن کي
گردن پر گهوڑوں کي طرح ایال هوتي هے - لیکن اُنکے بال زیاده
لمبے هوتے هیں اور سینگ اتنے بڑے هوتے هیں که جب وه اپنا
سر پیچهے کي جانب موڑتے هیں تو سینگ دم تک پهونچ جاتے هیں -
سفر میں لوگ ان سینگوں میں پاني بهر کے ساتهه لے جاتے هیں -

یهاں سے میں جزیرهٔ سقوطره میں آیا جو مغرب کي جانب هے
اور برّ اعظم سے ایک سو میل کے فاصلے پر واقع هے - میں یهاں
دو مهینے رها - یه چهه سو میل کے رقبے میں هے اور یهاں زیاده تر
نسطوري عیسائي آباد هیں -

اس جزیرے کے قریب پانچ میل کے فاصلے پر دو اور جزیرے هیں

هوتا هے لیکن اندر کا حصه شهد کے مانند شیرین هوتا هے۔ پکنے سے پہلے یه پهل درخت سے توڑ لیے جاتے هیں اور ان کی تیزی دور کرنے کے لیے پانی میں ڈال دیتے هیں۔

کوئلن سے روانه هوکے تین دن کے بعد میں شهر کوچن پهونچا۔ یه شهر پانچ میل کے رقبے میں آباد هے اور ایک ندی کے دهانے پر واقع هے۔ چند روز میں اس ندی کے اوپر سیر کرتے گیا۔ ایک رات کو میں نے دیکها که ندی کے کنارے اکثر مقامات پر آگ روشن هے۔ میں نے خیال کیا که ماهی گیروں نے جلائی هوگی۔ لیکن لوگوں نے بتایا که یه عجیب الخلقت لوگ هیں جو پانی کے اندر رها کرتے هیں۔ رات کے وقت وه کناروں پر نکلتے هیں اور لکڑیاں جمع کرکے اور دو پتهروں کو رگڑ کے آگ نکالتے اور اسے روشن کرتے هیں۔ روشنی دیکه کے بهت سی مچهلیاں وهاں جمع هو جاتی هیں۔ اور یه وحشی لوگ جو پانی کے اندر چهپ رهتے هیں انهیں پکڑ کے کها لیتے هیں۔ اس ملک میں بهی وه تمام میوے پیدا هوتے هیں جو کوئلن میں پائے جاتے هیں۔

یهاں سے روانه هوکے اور مختلف مقامات میں هوتا هوا میں کالی کٹ آیا جو ایک بندرگاه هے اور آٹه میل کے رقبے میں آباد

هیں - یہاں ایک درخت نہایت کثرت سے پیدا ہوتا ہے جس کے
تنے میں انناس کے ایسے پھل ہوتے هیں لیکن اتنے بڑے کہ
ایک آدمی مشکل سے اٹھا سکتا ہے - اس کا چھلکا سخت اور سبز
رنگ کا ہوتا ہے اسکے اندر دو سو سے تین سو تک پھل نکلتے هیں -
جو انگور کی طرح شیریں اور نہایت خوش ذائقہ ہوتے هیں -
ہر پھل علحدہ علحدہ جھلی میں ہوتا ہے - جھلیوں میں ان
پھلوں کے علاوہ ایک قسم کا سخت گودا نکلتا ہے جو مزے اور
سختی میں شاہ بلوط کے پھل کے مانند ہوتا ہے اور اسی طرح
پکایا جاتا ہے - اگر بغیر گرم کیے انگاروں پر رکھ دیا جائے تو
بڑی آواز ہوتی ہے - اوپر کا چھلکا مویشیوں کو دے دیا جاتا ہے -
اس درخت کے پھل اکثر زمین کے اندر جڑوں تک میں نکلتے
هیں - وہ مزے میں بہترین ہوتے هیں - لہذا عام لوگوں کو نہیں
دیئے جاتے بلکہ بادشاہ کے لیے محفوظ رکھے جاتے هیں - اس کا
درخت انجیر کے درخت کا ایسا ہوتا ہے - اور اسکے پتے کھجور کے
مانند ہوتے هیں - اسکی لکڑی کے صندوق بناتے هیں اور بہت
قیمتی ہوتی ہے - اس درخت کا نام کاچی ہے - یہاں ایک اور
پھل ہوتا ہے جسے آم کہتے هیں - اسکی شکل سبز نارنگی کی
ایسی ہوتی ہے لیکن اس سے چھوٹا ہوتا ہے اوپر کا چھلکا بد مزہ

لیکن جب تک انہیں کوئي نہ ستائے کسي کو نہیں کاٹتے۔ وہ بچوں کو دیکھ کے خوش ہوتے ہیں۔ لہذا بچوں کو دیکھتے ہوے وہ آبادي میں آجاتے ہیں۔ یہاں ایک اور قسم کا سانپ بھي ہوتا ہے جسکے چار پیر ہوتے ہیں اور کتے کي طرح لمبي دم ہوتي ہے۔ یہ کسي کو نہیں ستاتے لیکن لوگ اسے کھاتے ہیں اور اس کا گوشت بہترین قسم کي غذاؤں میں شمار کیا جاتا ہے۔

یہیں ایک اور قسم کے بھي سانپ ہیں جو ایک ہاتھ لمبے ہوتے ہیں۔ اور چمگادڑوں کي طرح انکے بازو ہوتے ہیں۔ انکے سات سر ہوتے ہیں اور ہمیشہ درختوں پر رہا کرتے ہیں۔ وہ بہت تیز اڑتے ہیں اور نہایت زہریلے سانپ ہیں بلکہ کہا جاتا ہے کہ ایک سانس میں وہ آدمي کا خاتمہ کر دیتے ہیں۔

یہاں پردار بلیاں ہوتي ہیں انکے اگلے اور پچھلے پیروں کے بیچ میں جھلي ہوتي ہے جو انکے جسم سے لگي رہتي ہے۔ اور جب وہ بیٹھتي ہیں تو سمٹ جاتي ہے۔ وہ اپنے پیر پھیلاکے بازوؤں کو ہلاکے ایک درخت سے دوسرے درخت پر اڑ جاتي ہیں شکاري جب ان کا تعاقب کرتے ہیں تو وہ اڑتے اڑتے تھک جاتي ہیں۔ پھر زمین پر گر پڑتي ہیں اور لوگ انہیں پکڑ لیتے

یہاں کے لوگوں کي سب سے زیادہ دلچسپي مرغوں کي لڑائي میں ہوتي ہے - مختلف لوگ اپنے اپنے مرغ لاتے ہیں - اور ہر شخص کا دعوی ہوتا ہے کہ ہمارا مرغ جیتے گا - جو لوگ لڑائي کا تماشا دیکھنے آتے ہیں اسپر بازي لگاتے ہیں اور جو مرغ فتح پاتا ہے وہي ان کي بازي کا فیصلہ کرتا ہے -

جاوا کے بڑے جزیرے میں ایک نہایت خوبصورت چڑیا ہوتي ہے جو جنگلي کبوتر کے برابر ہوتي ہے لیکن اسکے پیر نہیں ہوتے - سر پر ایک کلغی ہوتي ہے اور دم لمبي اور گول ہوتي ہے - اکثر یہاں کے درختوں پر دیکھي جاتي ہے - اس چڑیا کا گوشت نہیں کھایا جاتا لیکن اسکي دم اور کھال بہت قیمتي ہوتي ہے - لوگ اسے اپني ٹوپیوں میں لگاتے ہیں -

میں نے جاوا میں ضروري سامان تجارت خریدا اور مغرب کي جانب جہاز پر روانہ ہوکے بندرگاہ سباسپا میں آیا جہاں عود - کافور اور سوذا پیدا ہوتا ہے - اس سفر میں ایک مہینہ صرف ہوا - پھر میں وہاں سے روانہ ہوکے بندرگاہ کوئلن پہونچا - اس ملک کو لوگ ملابار کہتے ہیں - یہاں سونٹھ مرچ اور دارچیني پیدا ہوتي ہے - یہاں ایک قسم کے سانپ ہیں جو چھ گز لمبے ہوتے ہیں اور جنگل میں رہتے ہیں -

ان جزائر کے باشندے دنیا کی سب قوموں سے زیادہ بے رحم اور ظالم ہیں - کتے - بلیاں - چوہے - اور ایسے ہی ناپاک جانور کھاتے ہیں - کسی آدمی کو مار ڈالنا انکے یہاں ایک مذاق ہے - اور اس قتل کی انہیں کوئی سزا بھی نہیں دی جاتی - قرضدار کو پکڑکے قرضخواہ کے حوالے کردیا جاتا ہے اور وہ اسے اپنا غلام بنا لیتا ہے - لیکن اگر وہ غلام بننے سے موت کو ترجیح دے تو ایک ننگی تلوار لے کے نکل پڑتا ہے اور جو شخص اس کے سامنے آجاتا ہے قتل کر ڈالتا ہے - یہاں تک کہ کوئی اس سے زیادہ طاقتور مقابل مل جاتا ہے جو اسے مار ڈالتا ہے - اب قرضخواہ آکے اس شخص کو پکڑتا ہے جس نے اسکے قرضدار کو قتل کیا ہے اور اس سے اپنا روپیہ مانگتا ہے - اور حاکم اس کا فیصلہ کرتے ہیں -

اگر کوئی شخص نئی تلوار مول لیتا ہے تو اسے آزمانے کے لئے جو شخص پہلے سامنے آجاتا ہے اسکے جسم میں بھونکدیتا ہے - اور اگر وہ شخص مرجائے تو اسے کوئی سزا نہیں دی جاتی - راستہ چلنے والے اسکے زخم کو دیکھ کے اس شخص کی تعریف کرتے ہیں جس نے اس طرح سیدھی تلوار بھونک دی - یہاں ہر شخص جتنی بیبیاں چاہے رکھ سکتا ہے -

میں سفر کرکے ایک ندي (غالباً پیگو) کے دھانے پر پہونچا - یہاں ایک شہر آباد ھے - میں اس میں نہیں ٹھہرا - لیکن ایک دوسري کشتي میں بیٹھ کے ندي کے اوپر چلا - اور دس روز کے بعد ایک نہایت آباد شہر پکونیا میں آیا جو بارہ میل کے رقبے میں آباد ھے - یہاں چار مہینے ٹھہرا - ھندوستان میں فقط یہي ایک مقام ھے جہاں انگور پیدا ھوتا ھے - لیکن یہاں بھي بہت کم ھوتا ھے - لہذا لوگ اس کي شراب نہیں بناتے - یہاں سیب - نارنگي - بلوط - خربوزے - سفید سندل اور کافور پیدا ھوتا ھے - کافور ایک درخت کے اندر سے نکلتا ھے - اور اگر لوگ اسکي چھال نکالنے سے پہلے اپنے دیوتاؤں کے آگے قرباني نہ کرلیں تو کافور لکڑي کے اندر سے غائب ھوجاتا ھے -

ھندوستان میں دو جزیرے ھیں جو دنیا کے خاتمے پر واقع ھوے ھیں - دونوں کا نام جاوا ھے - ایک کا رقبہ تین ہزار میل ھے اور دوسرے کا دو ہزار میل - دونوں مشرق میں سمندر کے راستے میں ھیں - اور براعظم سے ایک مہینے کے سفر پر اور ایک دوسرے سے سو میل کے فاصلے پر واقع ھیں - میں اپني بیوي اور بچوں کے ساتھ (جو سارے سفر میں میرے ہمراہ تھے) یہاں نو مہینے رہا -

دار السلطنت کا نام کمبلشیا (۱) (خان بالق) ہے - یہ شہر اٹھالیس میل کے رقبے میں آباد ہے - اسکے درمیان میں ایک نہایت مضبوط قلعہ ہے اور اسي کے اندر بادشاہ کا محل ہے - یہ شہر ایک مربع رقبے میں آباد ہوا ہے لہذا فصیل کے چاروں کونوں پر چار مدور قلعے تعمیر کیے گئے ہیں جن میں سے ہر ایک کا دور چار میل ہے - ان قلعوں میں ہر قسم کا سامان جنگ اسلحہ اور شہروں پر دھاوا کرنے کي کلیں موجود رہتي ہیں - قصر شاہي سے ان چاروں قلعوں کو سرنگیں گئي ہیں جو اس خیال سے بنائي گئي ہیں کہ اگر شہر والے بغاوت کریں تو بادشاہ انکے اندر ہي اندر جس قلعے میں چاہے چلا جائے - اس شہر سے پندرہ دن کے راستے پر ایک اور بڑا شہر ہے جو اسي بادشاہ نے تعمیر کرایا ہے وہ تیس میل کے رقبے میں آباد ہے اور ذیپ نائي کہلاتا ہے - سب شہروں سے زیادہ آباد ہے - ان دونوں شہروں کے مکان اور بڑي عمارتیں اور رونق سب اٹلي کي ایسي ہے - یہاں کے لوگ نہایت ہوشیار اور شریف ہیں اور سب ملکوں سے زیادہ دولتمند ہیں -

یہاں سے میں اوا واپس آیا اور سترہ دن جہاز

---

(۱) پیکن کا قدیم نام خان بالق تھا -

اس ملک کے اندروني حصے ميں سياہ اور سفيد بيل پيدا هوتے هيں - اور وہ بيل نہايت قيمتي سمجھے جاتے هيں جن کي دميں گھوڑے کي طرح گھني اور لمبے بالوں کي هوں - ليکن گھوڑوں سے زيادہ لمبي اور پيروں تک نيچي هوں - انکي دموں کے بال بہت باريک - هلکے اور نرم هوتے هيں - اور اپنے وزن کے برابر چاندي کے معاوضے ميں فروخت هوتے هيں - ان بالوں کے پنکھے اور چونرياں بنائي جاتي هيں جو ديوتاؤں اور بادشاهوں کے جھلي جاتي هيں -

ان بيلوں کي دموں کے بال معزز اور امير لوگ اپنے گھوڑوں کي دمچيوں ميں لگا ديتے هيں تاکہ گھوڑے کا پچھيلا حصہ ان ميں چھپا رهے - اور گھوڑے کي گردن ميں بھي باندھ ديتے هيں تاکہ اس کے آگے لٹکتے رهيں - اور سينہ ان ميں چھپا رهے - يہ بڑي عزت کي چيز خيال کي جاتي هے - رسالے کے سوار ان بالوں کو اپنے نيزوں ميں لگاتے هيں اور شرافت کا نشان سمجھتے هيں -

اس ملکوں سے اچھا هے - اس کا نام کبتھا (۱) هے - اس ملک کے حاکم کو خان اعظم کہتے هيں جسکے معني شہنشاہ کے هيں - اسکے

---

(۱) چين کا جنوبي حصہ - ليکن اب اُسکے حدوں کا اندازہ کرنا غير ممکن هے -

اس ملک میں ایک قسم کا سیب پیدا ہوتا ہے جو انار کی
شکل کا ہوتا ہے اور اس میں نہایت شیریں عرق بھرا ہوتا ہے ۔
ایک درخت ہوتا ہے جو تال (تاڑ) کہلاتا ہے ۔ اس کے پتے بہت
بڑے ہوتے ہیں ۔ اور اسی پر لوگ لکھتے ہیں ۔ کیونکہ سارے
ہندوستان میں سوا کھمبات کے اور کسی جگہ کاغذ کا رواج نہیں
ہے ۔ اس درخت میں چقندر کے مانند ایک پھل بھی ہوتا ہے ۔
اس کے اندر جو عرق ہوتا ہے چند روز بعد جم جاتا ہے اور کھانے
میں بڑے مزے کا ہوتا ہے ۔

اس ملک میں نہایت خوفناک سانپ پیدا ہوتے ہیں جن کے
پیر نہیں ہوتے لیکن انسان کے برابر موٹے اور چھ گز لمبے ہوتے
ہیں ۔ یہاں کے باشندے انہیں آگ میں بھون کے کھاتے ہیں ۔ اور اسے
نہایت پر تکلف غذا خیال کرتے ہیں ۔ اسکے سوا وہ کیکڑوں کو بھی
نمک مرچ میں بھون کے کھا جاتے ہیں ۔

یہاں ایک جانور ہوتا ہے جس کا سر سور کے مانند ہوتا ہے ۔
دم بیل کی سی ہوتی ہے ۔ اور پیشانی پر گینڈے کی طرح ایک
چھوٹا سینگ ہوتا ہے ۔ رنگ اور قد و قامت میں وہ ہاتھی کے برابر
ہوتا ہے ۔ اور ہمیشہ ہاتھی سے لڑا کرتا ہے کہ اسکا سینگ ہر قسم کے
زہر کا علاج ہے ۔ اور اسی وجہ سے لوگ اسکی بڑی قدر کرتے ہیں ۔

اور هاتهیوں کو فاقے دے دے کے پالو کرلیتے هیں - چار روز بعد انهیں ایک تنگ مقام میں لیجاتے هیں جو خاصکر اسي ضرورت سے بنایا جاتا هے - اور وهاں انهیں سدهار لیتے هیں - بادشاه ان هاتهیوں کو اپني ضرورتوں کے لئے خریدتے هیں پالو هاتهیوں کو گهي اور چاول دئے جاتے هیں - اور جنگلي هاتهي درختوں کے پتے اور گهانس کهاتے هیں - پالو هاتهي کو فقط ایک آدمي ایک جگهه سے دوسري جگهه لیجاتا هے اس کے سر پر بیٹهه کے ایک آهني آنکس کے ذریعے سے چلاتا هے - یه جانور اس قدر هوشیار اور عقلمند هوتا هے که میدان جنگ میں دشمن کے تیروں اور برچهیوں کو وه اپنے پیر کے تلووں پر روک لیتا هے تاکه ان لوگوں کو نقصان نه پهونچے جو اس کي پیٹهه پر سوار هیں - اس ملک کا بادشاه ایک سفید هاتهي پر سوار هوتا هے اور اسکي گردن میں سونے کي زنجیر پڑي هے جس میں قیمتي جواهرات جڑے هیں - وه اس کے پیروں تک لٹکتي رهتي هے -

یہاں کے مرد ایک هي بي بي رکهتے هیں - اور سب مرد اور عورتیں اپنے گوشت میں سوئیوں سے سوراخ کرکے ایسا رنگ بهرتے هیں جو کبهي زائل نهیں هوتا - لوگوں کا مذهب بت پرستي هے - لیکن جب سوکے اٹهتے هیں تو مشرق کي طرف منهه کرکے اور دونوں هاتهه جوڑکے کهتے هیں ''خدا کي تثلیث اور اس کي شریعت همیں محفوظ رکهے'' -

ہوتے ہیں - جب جنگلی ہاتھی آسے اس احاطے کے اندر دیکھتے ہیں
تو وہ بھی ایک پھاٹک سے اُس میں آجاتے ہیں - لیکن ہتھنی
فوراً دوسرے پھاٹک سے نکل جاتی ہے اور لوگ جو اُسکی نگرانی
کرتے رہتے ہیں دونوں پھاٹک مضبوط بند کرلیتے ہیں - پھر بہت سے
آدمی چھوٹے چھوٹے دروازوں سے اُس احاطے میں آجاتے ہیں -
اُنکے ہاتھ میں نہایت مضبوط رسیاں ہوتی ہیں جن میں پھندے بنے
ہوتے ہیں - ایک آدمی اس ہاتھی کے سامنے جاتا ہے اور جیسے ہی
ہاتھی اُسے مارنے کے لئے دوڑتا ہے اور لوگ پیچھے سے اُس کے
پیروں میں رسی کے پھندے ڈال دیتے ہیں - پھر اُس کے پیر
مضبوط جکڑ دئے جاتے ہیں اور تین چار دن اُسے وہیں باندھ
دیتے ہیں - فقط تھوڑی سی گھانس روزانہ دیدی جاتی ہے -
اسی طرح پندرہ روز میں اُس کا جوش کم ہوجاتا ہے - اب وہ اُسے
دو پالو ہاتھیوں کے بیچ میں باندھتے ہیں اور شہر کے اندر سڑکوں پر
لیجاتے ہیں - غرض چند روز میں وہ اور ہاتھیوں کی طرح پالو
ہوجاتا ہے -

لیکن بعض جگہہ ہاتھیوں کو ایک اور طریقے سے پکڑتے اور پالو
کرتے ہیں - وہ ہاتھیوں کو ایک ایسے مقام پر لیجاتے ہیں جو چاروں
طرف سے محفوظ ہو - پھر پالو ہتھنیوں کو وہاں سے نکال دیتے ہیں

چلنے کے بعد ایک بہت بڑے شہر میں آیا جو اسي ندي کے نام سے مشہور هے اور اسي کے کنارے آباد هے -

یہاں سے چل کے میں ایسے ملک میں پہونچا جہاں آبادي کا نام و نشان بھي نہیں - سترہ دن پہاڑوں میں اور پندرہ دن میدانوں میں سفر کرنے کے بعد میں ایک اور ندي کے کنارے پہونچا جو گنگا سے بھي بڑي هے اور لوگ اسے داوا (اراودي) کہتے هیں - اس ندي میں اوپر کي جانب ایک مہینہ چلنے کے بعد میں ایک شہر میں آیا جو اور سب شہروں سے بڑا هے اور پندرہ میل کے رقبے میں آباد هے - اس شہر کا نام آوا هے -

یہ ملک مسمی نوس (سیام) کہلاتا هے - اور اس میں هاتھي بہت زیادہ هیں - یہاں کے بادشاہ کے پاس دس هزار هاتھي ایسے هیں جو لڑائي میں کام آتے هیں قلعے (عماریاں) ان هاتیوں کي پیٹھ پر باندھ دئے جاتے هیں - جس میں آٹھ یا دس آدمي تیر کمان اور خنجر لیکے بیٹھ جاتے هیں - یہ هاتھي جنگل میں رهتے هیں - لیکن عام طور پر اس طرح پکڑے جاتے هیں کہ ایک خاص فصل میں پالو هتھني جنگل میں چھوڑ دي جاتي هے جب هاتھي اسے دیکھ لیتے هیں تو وہ آهستہ آهستہ چرتي هوئي ایک احاطے کے اندر آجاتي هے جسکے گرد دیواریں هوتي هیں اور دو بڑے پھاٹک لگے

تو نہیں لے سکتے یہاں کے لوگ ان کی چھوٹی چھوٹی کشتیاں بناتے ھیں - یہ ڈونگی اس ندی میں آمد و رفت کے لئے بہت موزوں ھوتی ھے - بانس میں ایک گرہ سے دوسری گرہ کا فاصلہ آدمی کے قد کے برابر ھوتا ھے - مگرمچھ اور مختلف قسم کی مچھلیاں جن سے ہم نہیں واقف ھیں اس ندی میں موجود ھیں ندی کے دونوں جانب نہایت خوشنما آبادیاں اور کھیت اور باغ ھیں جن میں ھزاروں قسم کے میوے پیدا ھوتے ھیں - ان میں سب سے اچھے موز (کیلے) جو انگور کے ذائقے اور شہد سے زیادہ شیریں ھیں - اور ناریل ھیں -

یہاں سے روانہ ھوکے میں تین مہینے اسی ندی کے اوپر چلا گیا - اور چار بہت بڑے اور مشہور شہر راستے میں چھوڑ دیئے - پھر ایک نہایت آباد شہر مارزیہ (متھرا) میں اترا - یہاں عود - سونا چاندی جواھرات اور موتی پیدا ھوتے ھیں - یہاں سے میں نے مشرق کی جانب پہاڑوں کا راستہ لیا جہاں کی نسبت سنا تھا کہ سنگ شب چراغ پیدا ھوتا ھے - وھاں کے سفر میں تیرہ دن صرف ھوے اور میں پھر سرناؤ (کرونگر) واپس آیا - اور بُضی تانبیہ (بردوان) گیا یہاں سے روانہ ھوکے ایک مہینے کے دریائی سفر کے بعد دریاے اواکا کے دھانے پر پہونچا - اور ندی میں چھہ روز

لوگوں سے لڑا کرتے ھیں وہ انساني سروں کو بڑي قیمتي چیز سمجھتے ھیں - جب وہ کسی دشمن کو گرفتار کرتے ھیں تو اس کا سر کاٹ کے رکھ لیتے ھیں اور بقیہ جسم کھا جاتے ھیں - جب انھیں کوئي چیز خریدنے کي ضرورت ھوتي ھے تو روپے کے بجاے وھي سر دیدیتے ھیں- لھذا ان میں وہ شخص سب سے زیادہ مالدار سمجھا جاتا ھے جس کے گھر میں سب سے زیادہ سر ھوں -

اب میں اس جزیرے سے روانہ ھوا اور سولہ دن کے نہایت طولاني سفر کے بعد شہر تنذاسرم پہونچا جو اسی نام کے دریا کے دھانے پر واقع ھے - اس ملک میں ھاتھي بہت سے ھیں - اور ایک خاص قسم کی چڑیاں ھوتي ھیں -

یہاں سے روانہ ھوکے اور خشکی اور تري کا سفر کرکے دریاے گنگا کے دھانے پر پہونچا - پھر ایک کشتي میں پندرہ دن اسی دریا میں چڑھائی پر سفر کرکے ایک بڑے اور مشہور شہر میں پہونچا جو سرناؤ (کرو نگر) کہلاتا ھے - یہ ندي اتني چوڑي ھے کہ اس کے بیچوبیچ میں سے دونوں جانب کي زمین نہیں نظر آتي - بعض مقامات پر اس کا عرض پندرہ میل سے زیادہ ھے - اس ندي کے کنارے بہت اونچے بانس پیدا ھوتے ھیں جو اس قدر موٹے ھوتے ھیں کہ اگر کوئي شخص اپنے دونوں بازؤں کے دور میں لینا چاھے

کو پکڑ لے جاتے ھیں - اور انھیں ٹکڑے ٹکڑے کرکے کھا لیتے ھیں - جزیرۂ سماترا چھ ھزار میل کے رقبے میل ھے - وھاں کے لوگ ظالم اور وحشي ھیں - مردوں اور عورتوں کے کان بہت بڑے ھوتے ھیں - اور ان میں وہ بالیاں پہنتے ھیں جن میں قیمتي جواھر جڑے ھوتے ھیں - وہ سوتي اور ریشمی کپڑے پہنتے ھیں - جو گٹنوں کے نیچے تک لٹکتے رھتے ھیں - مرد جتني بیبیاں چاھیں رکھ سکتے ھیں - ان کے مکانات نہایت پست ھوتے ھیں اور فقط اس غرض سے بنائے جاتے ھیں کہ دھوپ کي شدت سے لوگوں کو بچائیں - یہاں کے لوگ سب بت پرست ھیں -

اس جزیرے میں مرچ اور کافور پیدا ھوتا ھے - اور کانوں میں سے سونا نکالا جاتا ھے - مرچ کا درخت چھوٹا ھوتا ھے اور اس کے بیج سبز ھوتے جنھیں وہ لوگ راکھ میں ڈال کے دھوپ سے خشک کر لیتے ھیں - اس جزیرے میں ایک خاص قسم کا پھل ھوتا ھے اور کھیرے کے برابر ھوتا ھے جب اسے کاٹتے ھیں تو اس میں نارنگیوں کے سے گول پانچ پھل نکلتے ھیں اور ان کا مزہ پنیر کا ایسا ھوتا ھے -

اس جزیرے کے ایک حصے میں جو بانش کہلاتا ھے ایسی قوم آباد ھے جو مردم خوار ھے - یہ لوگ ھمیشہ قرب و جوار کے

اس جزیرے میں ایک جھیل(۱) ہے - اور اسکے بیچ میں ایک
شہر آباد ہے جسکے ساحل کا دور تین میل ہے - ان جزیروں
میں برہمنوں کی حکومت ہے جو دیگر لوگوں سے زیادہ قابل
خیال کیے جاتے ہیں - برہمن بڑے فلسفہ دان ہوتے ہیں
اور اپنی ساری زندگی نجوم اور مہیئت کی فکروں میں بسر
کر دیتے ہیں -

اس کے بعد جزیرۂ تپ رویونا کے ایک شہر میں گیا -
اس جزیرے کو وہاں کے باشندے سمترا کہتے ہیں - میں اس
شہر میں ایک سال رہا - یہ شہر چھ میل کے رقبے میں آباد ہے
اور بڑی تجارت کی جگہ ہے - ایک اچھے موسم میں چند روز
میں نے جہاز پر سیر کی اور جزیرۂ اندمانیہ کو اپنی داہنی
جانب چھوڑ دیا - یہ سونے کا جزیرہ کہلاتا ہے اور آٹھ سو
میل کے رقبے میں ہے - یہاں کے لوگ مردم خوار ہیں -
کوئی جہاز اسکے ساحل پر نہیں ٹھہرتا - اور اگر طوفان کی وجہ سے
وہاں جانا پڑا اور ان وحشیوں نے دیکھ لیا تو فوراً آکے لوگوں

---

(۱) سیلون میں اب کوئی جھیل نہیں ہے اور نہ کوئی ایسے آثار
پائے جاتے ہیں کہ اتنی بڑی جھیل موجود ہو جس کے بیچ میں
شہر آباد ہو-

مین یہودي ہیں - یہ سارا علاقہ مالابار کہلاتا ہے - اس کے آگے
ایک اور شہر ہے جس کا نام کالِکَٹ (کل کیر) ہے - یہاں سمندر
میں موتي پیدا ہوتے ہیں - اس شہر میں ایک درخت ہوتا
ہے جس میں پھل نہیں لگتے لیکن اس کا پتّا چھ بالشت
لمبا اور اسي قدر چوڑا ہوتا ہے اور اس قدر پتلا کہ ایک
شخص اسے دبا کے اپني مٹھي میں بند کر لیتا ہے - یہاں کے
لوگ ان پتوں پر لکھتے ہیں اور بارش کے موسم میں اپنے
سر پر ڈال لیتے ہیں تاکہ کپڑے مینہ سے محفوظ رہیں - اس
پتے کو پھیلا کے تین چار آدمي بہ آساني اسکے نیچے چل
سکتے ہیں -

اس خلیج کے بیچ میں ایک جزیرہ ہے جس کا نام سیلان (سیلون یعني سراندیپ) ہے - اس کے چاروں طرف ساحل کي لمبائي تین ہزار میل ہے - اس میں لال - یاقوت - نیلم - اور وہ قیمتي پتھر پیدا ہوتا ہے جو رات کو روشني دیتا ہے -

یہاں دارچیني کثرت سے پیدا ہوتي ہے - اس کا درخت ہمارے ملک کے بید کے مشابہ ہوتا ہے - لیکن اسکي شاخیں اوپر کي جانب نہیں ہوتیں بلکہ چاروں طرف پھیلتي ہیں -

کا انتظام انہیں کے سپرد ہوتا ہے - چار ہزار جو اچھے کپڑے
پہنے ہوتی ہیں گھوڑوں پر سوار ہوکے ساتھ چلتی ہیں -
اور باقی پالکیوں میں ہوتی ہیں جنہیں آدمی لے کے
چلتے ہیں انہیں میں دو تین ہزار ایسی منتخب بیبیاں
ہیں جو اس شرط سے رکھی گئی ہیں کہ راجہ کی موت پر یا اس
کے ساتھ جل کے مر جائیں گی - اور یہ ان کے لئے بڑی عزت
کی بات خیال کی جاتی ہے - مشہور شہر پلاکندہ (غالباً پناکندہ)
اسی راجہ کے علاقے میں شامل ہے - اور بیجانگر سے آٹھ روز
کی مسافت پر واقع ہے - یہاں سے سفر کرکے میں بیس دن
چلتا رہا - اور ایک بندرگاہ میں آیا جس کا نام پودی فتانیہ
(غالباً ورما پٹم جو تلی چری کے قریب ہے) ہے - راستے میں
مجھے دو شہر ملے جن کا نام روراگیوری اور چندر گیری ہے پھر
آگے بڑھ کے ایک اور بندرگاہ ملا جو میلاپور کہلاتا ہے اور
دریائے سندھ کے بعد دوسرے خلیج میں واقع ہے - یہاں ایک
بڑے اور خوشنما گرجے میں سینٹ ٹامس کی قبر ہے - اور بے دین
نسطوری فرقے کے لوگ اس کی پرستش کرتے ہیں - اس شہر
میں ان کی تعداد ایک ہزار ہے - یہ نسطوری سارے ہندوستان
میں اسی طرح پھیلے ہوے ہیں جس طرح ہمارے ممالک

یہاں سے روانہ ہوکے میں بیس روز جہاز پر گذارے اور دو شہرونکے قریب پہونچا جو ساحل پر واقع ہیں - ان شہروں کے قریب سونٹھہ اورادرک پیدا ہوتي ہے - یہ ایک چھوٹے پودے کي جڑ ہے جو دو بالشت اونچا ہے - اس کي جڑ کھود کے نکال لیتے ہیں اور راکھہ میں ڈال کے تین دن دھوپ میں پھیلا دیتے ہیں - اور وہ خشک ہوجاتي ہے -

یہاں سے روانہ ہوکے اور تقریباً تین سو میل اندرون ملک خشکي کا سفر کرکے میں بڑے شہر بیجا نگر پہونچا جو بلند چٹانوں کے دامن میں واقع ہے - یہ شہر ساٹھہ میل کے رقبے میں آباد ہے - اس کي فصیلیں پہاڑوں کے اوپر تک چلي گئي ہیں - اورانکے دامن کي وادیوں کو اپنے آغوش میں لیے ہوے ہیں - اس وجہ سے اس شہر کي وسعت بہت زیادہ ہوگئي ہے - اس شہر میں نوے ہزار جوان ایسے ہیں جو میدان جنگ میں آسکتے ہیں - یہاں کے مردوں کي کئي بیبیاں ہوتي ہیں - اوراپنے شوہر کے ساتھہ جل کے مرجاتي ہیں - ہندوستان کے بادشاہوں میں یہاں کا راجہ سب سے زیادہ طاقتور ہے - اسکي بارہ ہزار بیبیاں ہیں - جہاں کہیں وہ جاتا ہے چار ہزار بیبیاں پیدل ہمراہ ہوتي ہیں اور باورچي خانے

داخل هوا - اس سمندر میں بحر اٹلانٹک کی طرح مد و جزر
هوتا هے - یہاں سے چار روز جہاز پر سفر بندرگاہ قلقوس میں اور
وهاں سے جزیرۂ هرمز پہونچا جو ساحل سے بارہ میل کے فاصلے پر
واقع هے - اس جزیرے سے میں هندوستان کی جانب روانہ هوا اور
سو میل چل کے ایک شہر میں آیا جو کل کبشبا کہلاتا هے - اور
ایران کا ایک بہت بڑا بندرگاہ هے - یہاں میں چند روز ٹھہر گیا -
فارسي زبان سیکھي جس سے بعد میں بہت کام نکلا - یہیں سے
میں نے عیسائیوں کا لباس اختیار کیا اور اپنے سارے سفر میں
اسي کو پہنتا رها - پھر چند ایراني تاجروں کے ساتھ میں نے ایک
جہاز کرایے پر لیا - اور آپس میں قول و قرار کرکے کہ ایک دوسرے کے
ساتھ ایمانداري اور راستبازي سے پیش آئینگے روانہ هو گیا -

اس طرح ایک مہینہ سفر کرکے اور دریاے سندھ کے دھانے سے
گذر کے میں ایک خلیج میں داخل هوا اور شہر کھمبات پہونچا -
یہاں ایک قسم کا قیمتي پتھر پیدا هوتا هے جو رات کو روشني
دیتا هے - یہاں کے لوگوں میں رواج هے کہ جب شوهر مر جاتا هے تو
اسکي موت کو اهمیت دینے کے لئے اسکي وہ بیوي جو شوهر کو زیادہ
عزیز هوتي هے اس کي لاش کے برابر لیٹ جاتي هے اور اسکے گلے میں
بانہیں ڈال کے ساتھ جل جاتي هے - اور جب چتا روشن هوجاتي هے
تو دوسري بیبیاں بھي شعلوں میں گھس پڑتي هیں -

ہوئیں - ہم سمجھے کہ عربوں نے حملہ کردیا ہے اور ہمیں لوٹنے آرہے ہیں لہذا ہر شخص اٹھا اور مقابلہ کے لئے تیار ہوگیا - اب ہم انکے انتظار میں کھڑے تھے کہ دیکھا لوگوں کي ایک بہت بڑي جماعت گھوڑوں پر سوار قریب آگئے اور ہمارے خیموں کے پاس سے گذرنے لگے لیکن ہم سے کچھہ نہ بولے - بعض تجربہ کار تاجروں نے جو ایسے واقعات پہلے دیکھہ چکے تھے کہا کہ " یہ جن ہیں اور اس میدان میں اکثر اسي طرح نظر آیا کرتے ہیں - "

دریاے دجلہ کے کنارے ایک بہت بڑا شہر ہے جس میں قدیم شہر بابل کا بھي ایک حصہ آگیا ہے - یہ شہر چودہ میل کے رقبے میں آباد ہے - اسے وہاں کے لوگ بلدوشبا (بغداد) کہتے ہیں - دریاے دجلہ اس شہر کے بیچ میں سے ہوکے گذرا ہے - اور ایک پل کے ذریعے سے جس میں چودہ در ہیں - اور دونوں حصوں میں آمد و رفت ہے - بغداد کے قریب شہر بابل کی بہت سي یادگاریں اور عمارتوں کے کھنڈر اب تک باقي ہیں - شہر کے ایک بلند مقام پر مضبوط قلعہ ہے - اور اسي کے اندر شاہي قصر ہیں -

یہاں سے روانہ ہوکے میں نے بیس دن کشتي کا سفر کیا - دریا کے دونوں جانب نہایت زرخیز زمینیں نظر آئیں - پھر آٹھہ روز خشکي کا سفر کرکے بصرے پہونچا اور وہاں سے چار روز کے بعد خلیج فارس میں

وینس کے ایک تاجر نے هندوستان کا سفر کیا - اور برهما - الجزائر - چین - اور مصر هوتا هوا پچیس سال کے بعد اپنے وطن واپس آیا - اس سفر میں وہ اپني بیوي اور بچون کو ساتھ لیتا گیا تھا - واپسي کے وقت مصر میں اُسے اپنا عیسوي مذهب چھوڑ دینا پڑا - جب وہ وطن پھونچگیا تو پوپ یوجن چھارم سے درخواست کي که میرا گناہ کبیرہ جو اپني جان بچانے کي غرض سے سرزد هوگیا تھا معاف کردیا جائے - پوپ نے اس کي درخواست منظور کرلي - لیکن یہ شرط لگادي که اپنے سفر کے حالات سکرٹري پوگیو پوگیو بریسولیني سے بیان کردو - پوگیو نے یہ واقعات اُس سے سنکے لاطیني زبان لکھ دیئے تھے - اور همیں یقین هے که اسکے حالات ناظرین دلگداز کے لئے بهت هي دلچسپ ثابت هونگے -

نکلو دمشق الشام میں ایک تاجر کي حیثیت سے رهتا تھا - اور عربي زبان سیکھ کے ایک قافلے کے ساتھ جس میں چھ سو تاجر تھے اپنا مال تجارت لے کے عراق عرب کي جانب روانہ هوگیا - چلبدیا هوتا هوا دریاے دجلہ کے کنارے پھونچا - وہ بیان کرتا هے که اس راستے میں ایک عجیب و غریب واقعہ پیش آیا - آدهي رات کو جب ایک مقام پر ٹھہرے هوے تھے زور و شور کي آوازیں آنا شروع

نواب مصطفی خاں مرحوم نے اس زمانے میں میرزا کے ساتھ
دوستی کا حق پورا پورا ادا کیا اپیل میں جو کچھ صرف ہوا
وہ اپنے پاس سے صرف کیا اور تین مہینے تک برابر انکی
غمخواری اور ہر طرح کی خبرگیری میں مصروف رہے - جب
میرزا قید سے چھوٹ کر آئے تو میاں ' کالی ' صاحب کے مکان
میں آکر رہے تھے - ایک روز میاں کے پاس بیٹھے تھے؛ کسی نے آکر
قید سے چھوٹنے کی مبارکباد دی: میرزا نے کہا " کون بھڑوا
قید سے چھوٹتا ہے؟ پہلے ' گورے ' کی قید میں تھا اب ' کالے '
قید میں ہوں -

انتخاب از مضامین شرر

- مصنفہ -

مولانا مولوی محمد عبد الحلیم شرر لکھنوی

قدیم سیاحان ہندوستان

پندرھویں صدی عیسوی کے آغاز میں نکلو کانٹی نام

جو کچھہ گزرا اسکے ننگ سے آزاد اور جو کچھہ گزرنے والا ھے اس پر راضي ھوں - مگر آرزو کرنا آئین عبودیت کے خلاف نہیں ھے - میري یہ آرزو ھے کہ اب دنیا میں نہ رھوں؛ اور اگر رھوں تو ھندوستان نہ رھوں' روم ھے' مصر ھے' ایران ھے' بغداد ھے' یہ بھي جانے دو خود کعبہ آزادوں کیجائے پناہ اور آستانۂ رحمة للعالمین دلدادوں کي تکیہ گاہ ھے' دیکھئیے وہ کب وقت آئیگا - کہ درماندگي کي قید سے جو اس گزري ھوئي قید سے زیادہ جانفرسا ھے نجات پاؤں اور بغیر اس مرنیکے کہ کوئي منزل مقصود قرار دوں سر بصحرا نکل جاؤں - یہ ھے جو کچھہ کہ مجھپر گزرا اور یہ ھے جسکا میں آرزومند ھوں '' -

یہ واقعہ میرزا صاحب پر نہایت شاق گزرا تھا - اگرچہ منجملہ چھہ مہینے جو انکو قید خانے میں گزرے ان کو کسي طرح کي تکلیف نہیں ھوئي؛ وہ بالکل قید خانے میں اسي آرام سے رھے جیسے گھر پر رھتے تھے؛ کھانا اور کپڑا اور تمام ضروریات حسب دلخواہ گھر سے انکو پہنچتي تھیں' انکے دوست انسے ملنے جاتے تھے - اور وہ صرف بطور نظر بندوں کے جیلخانہ کے ایک علحدہ کمرے میں رھتے تھے - مگر چونکہ اسوقت تک شہر کے شرفا و اعیان کے ساتھہ کبھي اس قسم کا سلوک میرزا نے نہیں دیکھا تھا اس لئے وہ اسکو ایک بڑي بے آبروئي کي بات سمجھتے تھے -

ایک سخت ناگوار واقعہ گزرا - میرزا نے خود اِس واقعہ کو ایک فارسي خط میں مختصر طور پر بیان کیا ھے جس کا ترجمہ ھم اس مقام پر لکھتے ھیں "کوتوال دشمن تھا اور مجسٹریٹ ناواقف؛ فتنہ گھات میں تھا اور ستارہ گردش میں - باوجودیکہ مجسٹریٹ کوتوال کا حاکم ھے؛ میرے باب میں وہ کوتوال کا محکوم بن گیا اور میري قید کا حکم صادر کردیا - سشن جج - باوجودیکہ میرا دوست تھا اور ھمیشہ مجھہ سے دوستي اور مہرباني کے برتاؤ برتتا تھا اور اکثر صحبتوں میں بےتکلفانہ ملتا تھا - اُسنے بھي اِغماض اور تَغافُل اختیار کیا - صدر میں اپیل کیا گیا مگر کسي نے نہ سنا اور وھي حکم بحال رہا - پھر معلوم نہیں کیا باعث ھوا کہ جب آدھي میعاد گزر گئي تو مجسٹریٹ کو رحم آیا اور صدر میں میري رھائي کي رپورٹ کي اور وھاں سے حکم رھائي کا آگیا اور حکّام صدر نے ایسي رپورٹ بھیجنے پر اس کي بہت تعریف کي - سنا ھے کہ رحم دل حاکموں نے مجسٹریٹ کو بہت نفریں کي اور میري خاکساري اور آزادہ روی سے اسکو مطّلع کیا؛ یہانتک کہ اسنے خود بخود میري رھائي کي رپورٹ بھیجدي اگرچہ میں اسوجہ سے کہ ھر کام کو خدا کي طرف سے سمجھتا ھوں اور خدا سے لڑا نہیں جا سکتا -

سے پہلے میرزا صاحب کو بلایا گیا - میرزا پالکی میں سوار ہوکر
صاحب سکریٹری کے ڈیرے پر پہنچے - صاحب کو اطلاع ہوئی -
انہوں نے فوراً بلا لیا - مگر یہ پالکی سے اترکر انتظار میں
ٹھہرے رہے کہ دستور کے موافق صاحب سکرٹری اُنکے لینے کو
آئینگے - جب بہت دیر ہوگئی ' اور صاحب کو معلوم ہوا کہ
اس سبب سے نہیں آئے : وہ خود باہر چلے آئے اور میرزا سے کہا کہ
جب آپ دربار گورنری میں تشریف لائینگے تو آپ کا اسیطرح
استقبال کیا جائیگا - لیکن اسوقت آپ نوکری کے لئے آتے ہیں
اس موقع پر وہ برتاؤ نہیں ہوسکتا - میرزا صاحب نے کہا گورنمنٹ
کی ملازمت کا ارادہ اس لئے کیا ہے کہ اعزاز کچھہ زیادہ ہو نہ
اس لئے کہ موجودہ اعزاز میں بھی فرق آئے - صاحب نے کہا :
ہم قاعدے سے مجبور ہیں - میرزا صاحب نے کہا مجھکو اس خدمت
سے معاف رکھا جائے ' اور کہکر چلے آئے -

قید ہونیکا واقعہ

میرزا کو شطرنج اور چوسر کھیلنے کی بہت عادت تھی - اور
چوسر جب کبھی کھیلتے تھے برائے نام کچھہ بازی بدکر کھیلا
کرتے تھے - اسی چوسر کی بدولت سنۂ ۱۲۶۴ ھجری میں میرزا پر

کرنے کے لئے تھا ورنہ اھل دھلي بھي اکثر بجاے ' اپني تئیں '
کے ' آپ کو ' بولتے ھیں ; اس میں کچھ اھل لکھنؤ کي
خصوصیت نہیں ھے -

لطیفہ

زبان کے متعلق میرزا کا اسي قسم کا ایک اور لطیفہ مشھور ھے -
دلي میں ' رتھہ ' کو بعضے مؤنث اور بعض مذکر بولتے ھیں ;
کسي نے میرزا صاحب سے پوچھا کہ حضرت ! رتھہ مؤنث ھے یا
مذکر ؟ آپ نے کہا بھیا ! جب رتھہ میں عورتیں بیٹھي ھوں تو
مؤنث کہو اور جب مرد بیٹھیں تو مذکر سمجھو -

ملازمت سرکاري سے انکار

تذکرۂ آبحیات میں لکھا ھے کہ سنہ ۱۸۴۲ ع میں جب کہ
دھلي کالج نئے اصول پر قائم کیا گیا - مسٹر ٹامسن سکرٹري گورنمنٹ
ھند - جو آخر کو اضلاع شمال و مغرب میں لفٹنٹ گورنر ھوگئے تھے -
مدرسین کے امتحان کے لئے دلي میں آئے - اور چاھا کہ جسطرح
سو روپیہ ماھوار کا ایک عربي مدرس کالج میں مقرر ھے ;
اسیطرح ایک فارسي کا مدرس مقرر کیا جاے - لوگوں نے 'میرزا'
اور ' مومن خان ' اور مولوي ' امام بخش ' کا ذکر کیا - سب

لطیفہ

لکھنؤ کي ایک صحبت میں جب کہ میرزا وھاں موجود تھے - ایک روز لکھنؤ اور دلّي کي زبان پر گفتگو ھو رھي تھي ایک صاحب نے میرزا سے کہا کہ جس موقعے پر اھل دھلي ' اپنے تئیں ' بولتے ھیں وھاں اھل لکھنؤ ' آپ کو ' بولتے ھیں ؛ آپ کي راے میں فصیح '' آپ کو '' ھے یا '' اپنے تئیں '' ؟ میرزا نے کہا فصیح تو یہي معلوم ھوتا ھے جو آپ بولتے ھیں : اس میں دقت یہ ھے کہ مثلاً آپ میري نسبت یہ فرمائیں کہ میں آپ کو فرشتہ خصائل جانتا ھون اور میں آسکے جواب میں اپني نسبت یہ عرض کروں کہ میں تو آپ کو کتے سے بھي بدتر سمجھتا ھوں ؛ تو سخت مشکل واقع ھوگي : میں تو اپني نسبت کہونگا اور آپ ممکن ھے کہ اپني نسبت سمجھ جائیں - سب حاضرین یہ لطیفہ سنکر پھڑک گئے - میرزا کا مطلب صرف اسقدر بیان کرنا تھا کہ آپکو مخاطب کے لئے تو عموماً بولاھي جاتا ھے : اگر متکلم کے لئے بھي اس کا استعمال ھوگا تو بعض موقع پر التباس واقع ھوگا - اس مطلب کو انھوں نے اس لطیف پیرائے میں بیاں کیا - مگر یہ فقط ایک لطیفہ اھل صحبت کے خوش

تعطیل میں جو اُن مسودات میں موجود ہے نائب السلطنت کے سامنے
پیش کرنے کے لئے لکھی تھی - لیکن میرزا صاحب نے ملاقات سے پہلے
دو شرطیں ایسی پیش کیں جو منظور نہ ہوئیں ایک یہ کہ نائب
میری تعظیم دیں' دوسرے نذر سے مجھے معاف رکھا جائے -
اسی وجہ سے میرزا بغیر اسکے کہ روشن الدولہ سے ملیں اور وہ نذر
پیش کریں - وہاں سے کلکتے کو روانہ ہوگئے مگر معلوم ہوتا ہے کہ
کلکتے سے واپس آنے کے بعد اُنہوں نے ایک قصیدہ دلّی سے
نصیر الدین حیدر کی شان میں لکھکر ایک دوست کے توسط سے
گزرانا تھا - اور اُس پر پانچ ہزار روپے بطور صلے کے ملنے کا حکم
ہوا تھا ؛ شیخ امام بخش ناسخ نے میرزا کو لکھا کہ پانچ ہزار
ملے تھے ؛ تین ہزار روشن الدولہ کھا گئے ؛ اور دو ہزار متوسط کو دیکر
کہا کہ اس میں سے جو مناسب سمجھو میرزا کو بھیجدو - میرزا
صاحب نے یہ سنکر پھر کچھہ تحریک کی مگر تین دن بعد یہ خبر
پہنچی کہ نصیر الدین مرگئے - پھر واجد علی شاہ کے زمانے میں
میرزا نے سلسلہ جنبانی کی ؛ اور پانسو روپیہ سالانہ ہمیشہ کے لئے
وہاں مقرر ہوگئے - لیکن صرف دو برس گزرے تھے کہ ریاست ضبط
ہوگئی ؛ اور وہ دفتر گاؤ خورد ہوگیا -

معترضین میں زیادہ جوش و خروش پیدا ہوا اور میرزا پر اعتراضوں کی بوچھاڑ پڑنے لگی۔ اگرچہ میرزا کے طرفدار بھی کلکتے میں بہت تھے مگر چونکہ میرزا اعتراض اور مخالفت سے بہت جز بز ہوتے تھے۔ اُنکے گھبرا دینے کو ایک معترض بھی کافی تھا۔ اُنہوں نے تنگ آکر ایک مثنوی موسوم بہ باد مخالف جس میں اپنی غریب الوطنی کا ذکر اور اہل کلکتہ کی نا مہربانی کی شکایت اور اُنکے اعتراضات اور اپنے جواب نہایت عمدگی اور صفائی اور دردانگیز طریقے سے بیان کئے ہیں۔

قیام لکھنؤ

جب میرزا نے کلکتے جانے کا ارادہ کیا تھا اُسوقت راہ میں ٹھہرنے کا قصد نہ تھا۔ مگر چونکہ لکھنؤ کے بعض ذی اقتدار لوگ مدت سے چاہتے تھے کہ میرزا ایک بار لکھنؤ آئیں؛ اس لئے کانپور پہنچکر اُن کو خیال آیا کہ لکھنؤ دیکھتے چلئے۔ اُس زمانے میں نصیر الدین حیدر فرمانروا۔ اور روشن الدولہ نائب السلطنت تھے۔ اہل لکھنؤ نے میرزا کی عمدہ طور مدارات کی روشن الدولہ کے ہاں بعنوان شائستہ اُنکی تقریب کی گئی۔ میرزا سے اُس پریشانی کے عالم میں قصیدہ تو سرانجام نہیں ہوسکا' مگر ایک مدحیہ نثر صنعت

برابر ملتا رہا - اور تمام لوکل حکام اور افسر ان سے رئیس زادوں کی طرح ملتے رہے -

مجادلۂ اہل کلکتہ

کلکتے کے قیام کے زمانے میں کچھ لوگوں نے میرزا کے کلام پر اعتراض کئے تھے اور اپنے اعتراضوں پر قتیل کا قول سنداً پیش کیا تھا - مگر میرزا ہندوستان کے فارسی گو شاعروں میں خسرو کے سوا کسی کو نہیں مانتے تھے - چنانچہ وہ ایک خط میں لکھتے ہیں "اہل ہند میں سوائے خسرو دہلوی کے کوئی مسلم الثبوت نہیں، میاں فیضی کی بھی کہیں کہیں ٹھیک ملجاتی ہے" اسی لئے وہ قتیل و واقف وغیرہ کو کچھ چیز نہیں سمجھتے تھے - اُنہوں نے قتیل کا نام سنکر ناک بھوں چڑھائی اور کہا کہ میں دلوالی[1] سنگھ فرید آباد کے کھتری کے قول کو نہیں مانتا اور اہل زبان کے سوا کسی کے قول کو قابل استناد نہیں سمجھتا - اور اپنے کلام کی سند میں اہل زبان کے اقوال پیش کئے - اس پر

---

(۱) میرزا قتیل نومسلم تھے - اسلام لانے سے پہلے اُن کا نام دلوالی سنگھ تھا اور فرید آباد ضلع دہلی کے کھتری تھے مسلمان ہونے کے بعد لکھنؤ چلے گئے تھے جہاں اُن کی نہایت قدر ہوئی -

میرزا صاحب نے گورنمنٹ ہند سے پانچ درخواستیں کي
تھیں ' ایک تو یہي کہ اُن کے خیال کے موافق جو مقدار
پنشن کي سرکار نے مقرر کي ہے وہ آیندہ پوري ملا کرے -
دوسري یہ کہ ابتک جسقدر کم پنشن ملتي رہي ہے اُسکي
واصلات ابتدا سے آج تک ریاست فیروز پور سے دلوائي جائے '
چونکہ پہلي درخواست نا منظور ہوئي تھي (اس لئے دوسري
درخواست کیونکر منظور ہوتي) تیسري درخواست یہ تھي کہ
کل پنشن میں جو حصہ میرا قرار پائے وہ اور سرکار سے علیحدہ
کردیا جائے - چوتھي یہ کہ پنشن فیروزپور سے خزانہ
سرکار میں منتقل ہوجائے ' تا کہ رئیس فیروزپور سے
مانگني نہ پڑے (یہ دونوں درخواستیں منظور ہوگئیں
اور انکے موافق اخیر تک عملدرآمد رہا) پانچویں
درخواست خطاب اور خلعت کي تھي - جہانتک معلوم ہے
کوئي خطاب گورنمنٹ سے میرزا کو نہیں ملا - لیکن گورنمنٹ سے
انکو " خانصاحب بسیار مہربان دوستاں " لکھا جاتا تھا - اور
جب کبھي دلي میں ویسرائے یا لفٹننٹ گورنر کا دربار ہوتا تھا
توانکو بھي دیگر رؤسا و عمائد شہر کے طرح بلایا جاتا تھا - اور
سات پارچے کا خلعت مع جیغہ و سرپیچ و مالائے مروارید کے انکو

غرضکہ میرزا کي عمر کچھہ کم چالیس برس کي تھي - جبکہ لکھنؤ ہوتے ہوئے کلکتے پہنچے - کلکتے میں لوگوں نے انکي بہت خاطر و مدارات کي اور انکو کامیابي کي امید دلائي - اسٹرلنگ صاحب سکرتري گورنمنت ھند نے جنکي مدح میں میرزا کا فارسي قصیدہ انکے کلیات میں موجود ھے ' وعدہ کیا کہ تمہارا حق ضرور تمکو ملیگا کول برگ صاحب جو اس وقت دلي میں رزیڈنٹ تھے انھوں نے دلي ھي میں میرزا سے عمدہ رپورت ' کرنے کا اقرار کر لیا تھا - ان امیدوں کے دھوکے میں وہ پورے دو برس کلکتے میں رھے ' مگر آخر کار نتیجہ ناکامي کے سوا کچھہ نہ ھوا - گورنمنت نے سرجان میلکم گورنر بمبئي سے - جو لارڈ لیک کے سکرتري رہ چکے تھے ' اور اُنھیں کے روبرو جاگیروں اور پنشنوں کي سندیں لوگوں کو ملي تھیں ' میرزا کے معاملے کي بابت استفسار کیا - اُنھوں نے میرزا کے دعوے کو غلط بتایا اور جس طرح اور جس قدر پنشن فیروز پور سے ملني قرار پائي تھي اُس کي مفصل کیفیت - جو میرزا کے دعوے کے بالکل خلاف تھي - گورنمنت میں بھیجدي - جب یہاں سے میرزا کو مایوسي ھوئي تو اُنھوں نے ولایت میں اپیل کیا مگر وھاں بھي کچھہ نہ ھوا -

جب میرزا کے چچا نصراللہ بیگ خان نے وفات پائی تھی اُس وقت میرزا کی عمر نو برس کی تھی اور اُنکے بھائی کی عمر سات برس کی تھی - نصراللہ بیگ خان کی وفات کے بعد اُنکے متعلقوں اور وارثوں کے لئے جن میں میرزا اور اُنکے بھائی بھی شریک تھے - جو پنشن گورنمنٹ نے ریاست فیروزپور جھرکہ پر معمول کردی تھی جبتک مرزا صغیرسن رہے جو کچھہ وهانسے ملتا رہا پاتے رہے - جب سن تمیز کو پہنچے اور شادی بھی هوگئی - عالم شباب اور خانہ‌داری کی ضرورتیں بہت بڑہ گئیں اور گھر میں جو کچھہ اثاثہ تھا وہ بھی چند روز میں سب خرچ هوگیا؛ لاچار فکرِ معاش دامن‌گیر هوئی - اول میرزا کو غلط یا صحیح یہ خیال پیدا هوا کہ فیروزپور سے جس قدر پنشن همارے خاندان کے لئے گورنمنٹ نے مقرر کرائی تھی اُسقدر همکو نہیں ملتی - ضرورتوں نے سخت تنگ کر رکھا تھا ' ادھر قرضخواهوں کے تقاضے سے ناک میں دم آگیا تھا ' اُدھر چھوٹے بھائی کو جنون هوگیا ' میرزا جیسے آزاد منش آدمی کیلئے یہ وقت نہایت سخت تھا؛ اس کشمکش میں انکو اسکے سوا اور کچھہ نہ سوجھا کہ کلکتے پہنچکر سوپریم گورنمنٹ میں پنشن کی بابت استغاثہ پیش کریں -

اخیر مکان جسمیں ان کا انتقال ہوا - حکیم محمود خاں مرحوم کے دیوانخانے کے متصل مسجد کے عقب میں تھا جس کی نسبت وہ کہتے ہیں -

مسجد کے زیر سایہ اک گھر بنا لیا ہے
یہ بندۂ کمینہ ہمسایۂ خدا ہے

مطالعۂ کتب

جس طرح میرزا نے تمام عمر رہنے کے لئے مکان نہیں خریدا اسی طرح مطالعے کے لئے بھی - باوجودیکہ ساری عمر تصنیف کے شغل میں گزری - کبھی کوئی کتاب نہیں خریدی - اِلّا مَاشَاءَ اللّٰہُ ایک شخص کا یہی پیشہ تھا کہ کتاب فروشوں کی دکانوں سے لوگوں کو کرایے کی کتابیں لادیا کرتا تھا ' میرزا صاحب بھی ہمیشہ اسی سے کرایے پر کتابیں منگواتے تھے اور مطالعے کے بعد واپس کردیتے تھے -

سفر کلکتہ

ظاہراً میرزا نے کوئی لمبا سفر کلکتے کے سوا نہیں کیا - اسی سفر کی آمد و رفت میں وہ چند ماہ لکھنؤ اور بنارس میں بھی ٹھہرے تھے - کلکتے جانے کا سبب یہ تھا کہ

اهل دهلي میں سے جن لوگوں نے میرزا کو جوانی میں دیکھا تھا اُن سے سنا گیا هے که عنفوان شباب میں وہ شہر کے نہایت حسین و خوشرو لوگوں میں شمار کئے جاتے تھے - بڑھاپے میں بھي - جبکه راقم نے پہلے هي بار اُنکو دیکھا هے - حسانت اور خوبصورتي کے آثار اُنکے چہرے اور قد و قامت اور ڈیل ڈول سے نمایاں طور پر نظر آتے تھے ' مگر اخیر عمر میں قلت خوراک اور امراض دائمي کے سبب وہ نہایت نحیف و زار و نزار هوگئے تھے - لیکن چونکه هاڑ بہت چکلا قد کشیدہ اور هات پاؤں زبردست تھے اس حالت میں بھي وہ ایک نووارد و نوراني معلوم هوتے تھے -

مسکن

دلي میں اُنکے قیام کے زمانه قریب پچاس برس کے معلوم هوتا هے ' اس تمام مدت میں اُنہوں نے غالباً یہاں کوئي مکان اپنے لئے نہیں خریدا ' همیشه کرایے کے مکانوں میں رها کئے - یا ایک مدت تک میاں کالے صاحب کے مکان میں بغیر کرایے کے رهے تھے ' جب ایک مکان سے جي اُکتایا اُسے چھوڑ کر دوسرا مکان لے لیا ' مگر قاسم جان کي گلي یا حبش خان کے پھاٹک یا اسکے قرب و جوار کے سوا کسي اور ضلع میں جاکر نہیں رهے - سب سے

پس ھمارے اور اُن کے مکان میں مچھیا رنڈي کا گھر اور ھمارے دو کٹرے درمیان تھے - ھماري بڑي حویلي وہ ھے کہ جواب لکشمي چند سیٹھ نے مول لے لي ھے - اسي کے دروازے کي سنگین بارہ دري پر میري نشست تھي - اور پاس اُس کے ایک کھٹیا والي حوالي ' اور سلیم شاہ کے تکئے کے پاس دوسري حویلي ' اور کالے محل سے لگي ھوئي ایک اور حویلي اور اُس سے آگے بڑھکر ایک کٹرا - کہ وہ گڈریوں والا مشہور تھا - اور ایک کٹرا کہ وہ کشمیرن والا کہلاتا تھا - اُس کٹرے کے ایک کوٹھے پر میں پتنگ اُڑاتا تھا ' اور راجہ بلوان سنگھہ سے پتنگ لڑا کرتے تھے - واصل خاں نامي ایک سپاھي تمھارے دادا کا پیش دست رھتا تھا اور وہ کٹروں کا کرایہ اُگاھکر جمع کرواتا تھا - بھائي تم سنو تو سھي! تمھارے دادا بہت کچھہ پیدا کر گیا - علاقے مول لئے تھے اور زمینداری اپنا کر لیا تھا دس بارہ ھزار روپے کي سرکار کي مالگزاري کرتا تھا - آیا وہ سب کارخانے تمھارے ھاتھہ آے یا نہیں ؟ اس کا حال از روے تفصیل جلد مجھکو لکھو '' اس خط کا مضمون سے معلوم ھوتا ھے کہ میرزا کے نانا کي آگرہ میں ایک خاصي سرکار تھي جس کي بدولت اُن کے ملازم اور متوسلین دس دس بارہ بارہ ھزار کے مالگزاري بن گئے تھے ' اور میرزا کا بچپن اور عنفوان شباب بڑے اَللّے اور تللّون میں بسر ھوا تھا -

کو ایک خط میں لکھتے ھیں ''میں کیا جانتا تھا کہ تم کون ہو؟
جب یہ جانا کہ تم ناظر بنسی دھر کے پوتے ہو تو معلوم ہوا کہ
میرے فرزند دلبند ہو۔ اب تم کو مشفق و مکرم لکھوں تو
گنہگار تم کو ہمارے خاندان اور اپنے خاندان کي آمیزش کا
حال کیا معلوم؟ مجھسے سنو! تمھارے پردادا عہد نجف خاں
میں میرے نانا صاحب مرحوم خواجہ غلام حسین خاں کے رفیق
تھے۔ جب میرے نانا نے نوکري ترک کي' اور گھر بیٹھے'
تو تمھارے پردادا نے بھي کمر کھولدي اور پھر کھیں نوکري
نہ کي۔ یہ باتیں میرے ہوش سے پہلے کي ھیں۔ مگر جب
میں جوان ہوا تو میں نے یہ دیکھا کہ منشي بنسي دھر'
خاں صاحب کے ساتھہ ھیں' اور انھوں نے جو کتیھتم کانو
اپني جاگیر کا سرکار میں دعوی کیا ہے تو بنسي دھر
اس امر کے منصرم ھیں' اور وکالت اور مختاري کرتے
ھیں۔ میں اور وہ ہم عمر تھے۔ شاید منشي بنسي دھر مجھسے
ایک دو برس بڑے ہوں یا چھوٹے ہوں۔ انیس بیس برس کي
میري عمر اور ایسي ہي عمر ان کي؛ باہم شطرنج اور
اختلاط اور محبت' آدھي آدھي رات گزر جاتي تھي؛ چونکہ
گھر ان کا بہت دور نہ تھا اس واسطے جب چاہتے تھے چلے جاتے۔

سکھا سکتا تھا اس میں ہرگز مضائقہ نہ کیا ہوگا اور جیسا کہ 'قاطع برہان' اور 'درفش کاویانی' کے دیکھنے سے ظاہر ہوتا ہے - اس نے تمام فارسی زبان کے مقدم اصول اور گر اور پارسیوں کے مذہبی خیالات اور اسرار جن کو فارسی زبان کے سمجھنے میں بہت بڑا دخل ہے اور پارسی و سنسکرت کا متحد الاصل ہونا اور اسی قسم کی اور ضروری باتیں میرزا کے دل میں بوجہ اوفی تہ نشین کردی تھیں -

چونکہ میرزا کے چچا کا رشتہ نواب فخرالدولہ کے خاندان میں ہوچکا تھا اور اس لئے ان کے خاندان سے ایک نوع کا تعلق پیدا ہوگیا تھا؛ میرزا کی شادی نواب فخرالدولہ کے چھوٹے بھائی میرزا الٰہی بخش خان معروف کے ہاں قرار پائی - اور جیسا کہ میرزا ایک رقعہ میں اشارہ کیا ہے - تیرہ برس کی عمر میں سات رجب سنہ ۱۲۲۵ ہجری کو ان کا عقد ہوگیا - اس تقریب سے ان کی آمد و رفت دلی میں زیادہ ہوگئی اور آخرکار یہیں سکونت اختیار کرلی اور اخیرعمر تک دلی ہی میں رہے -

میرزا کے نانا کی جاگیر میں متعدد دیہات اور آگرہ شہر میں بہت بڑی املاک تھی - وہ منشی شیونرائن رئیس آگرہ

ملا عبد الصمد علاوہ فارسي زبان کے جواس کي مادري
زبان اور اس کي قوم کي مذهبي زبان تهي - عربي زبان
کا بهي - جيسا کہ ميرزا نے لکها هے - بهت بڑا فاضل تها - اگرچہ
ميرزا کو اس کي صحبت بهت کم ميسر آئي ' مگر ميرزا جيسے
جوهر قابل کو صغرسن ميں ايسے شفيق کامل ' جامع اللسانين
استاد کا ملجانا ان نوادر اتفاقات ميں سے تها جو بهت کم
واقع هوتے هيں - اگرچہ ميرزا کو اس سے زيادہ مستفيد هونے
کا موقع نهيں ملا ' مگر اس فيض صحبت نے کم سے کم وہ ملکہ
ضرور ميرزا ميں پيدا کر ديا تها جس کي نسبت کها جاتا هے کہ
" اگر حاصل شود خواندۂ و ناخواندہ برابرست ؛ واگر حاصل
نہ شود هم خواندۂ ناخواندہ برابر " معلوم هوتا هے کہ ميرزا
کي حسن قابليت اور حسن استعداد نے ملا عبد الصمد کے دل
پر گهرا نقش بٹها ديا تها کہ يهاں سے چلے جانے کے بعد بهي
وہ مدت تک ميرزا کو نهيں بهولا نواب مصطفی خاں مرحوم
کهتے تهے کہ ملا کے ايک خط ميں جو اس نے ميرزا کو کسي دوسرے
ملک سے بهيجا تها يہ فقرہ لکها تها " اے عزيز چہ کسي ؟
کہ با ايں همہ آزاديها گاہ گاہ بخاطر مي گذري " اس سے معلوم
هوتا هے کہ جو کچهہ دو برس کے قليل عرصے ميں وہ ميرزا کو

کي : اگرچه کبھي کبھي ميرزا کي زبان سے يه بھي سنا گيا ھے
که '' مجھکو مبداء فياض کے سوا کسي سے تلمذ نہيں ھے '
اور عبد الصمد محض ايک فرضي نام ھے - چونکه مجھکو
لوگ بے استادا کہتے تھے ان کا منھه بند کرنے کو ميں نے
ايک فرضي استاد گھڑ ليا ھے '' مگر اس ميں شک نہيں
که عبد الصمد فی الواقع ايک پارسي نژاد آدمي تھا
اور ميرزا نے اس سے کم و بيش فارسي زبان سيکھي
تھي چنانچه ميرزا نے جابجا اس کے تلمذ پر اپني تحريروں
ميں فخر کيا ھے اس کو بلفظ 'تيھبار' جو پارسيوں کے ھاں
نہايت تعظيم کا لفظ ھے ياد کيا ھے - جيسا که ميرزا نے اپني
بعض تحريروں ميں تصريح کي ھے - ميرزا کي چوده برس کي
عمر تھي ' جب عبد الصمد ان کے مکان پر وارد ھوا ھے اور کل
دو برس اس نے وھاں قيام کيا - پس جب يه خيال کيا
جاتا ھے که ميرزا کو کس عمر ميں اس کي صحبت ميسر آئي '
اور کس قدر قليل مدت اس کي صحبت ميں گزري ' تو
عبد الصمد اور اسکي تعليم کا عدم و وجود برابر ھو جاتا ھے -
اس لئے ميرزا کا يه کہنا کچھه غلط نہيں ھے مجھکو مبداء فياض
کے سوا کسي سے تلمذ نہيں ھے -

لطیفہ

اکثر لوگ پنشن کا دریافت کرنے کو خط بھیجتے تھے - ایک دفعہ میر مہدي نے اسي مضمون کا خط بھیجا تھا؛ اس کے جواب میں میرزا صاحب لکھتے ھیں ''میاں بے رزق جینے کا ڈھب مجھکو آگیا ھے؛ اس طرف سے خاطر جمع رکھنا - رمضان کا مہینہ روزے کھا کھا کر کاٹا؛ آگے خدا رزاق ھے؛ کچھہ اور کھانیکو نہ ملا تو غم تو ھے'' -

تعلیم

میرزا غالب مع اپنے چھوٹے بھائي کے سن شعور تک آگرہ ھي میں رھے؛ اگرچہ سات برس کي عمر سے وہ دلي میں آنے جانے لگے تھے لیکن شادي کے بعد تک ان کي مستقل سکونت آگرے ھي میں رھي اور شیخ معظم جو اس زمانے میں آگرہ کے نامي معلموں میں سے تھے ان سے تعلیم پاتے رھے - اس کے بعد ایک شخص پارسي نژاد جس کا نام آتش پرستي کے زمانے میں ھرمزد تھا اور بعد مسلمان ھونے کے عبد الصمد رکھا گیا، غالباً آگرے میں سیاحانہ وارد ھوا، جو کہ دو برس تک میرزا کے پاس اول آگرہ میں اور پھر دلي میں مقیم رھا؛ میرزا نے اس سے فارسي زبان میں کسیقدر بصیرت پیدا

میرزا کے والد کي وفات کے بعد ان کے چچا نصراللہ بیگ خاں نے ان کو پرورش کیا - جب سرکار انگریزي کي عملداري ھندوستان میں اچھي طرح قائم ھوگئي ' اور نواب فخرالدولہ احمد بخش خاں لارڈ لیک کے لشکر میں شامل ھوے ' انھوں نے میرزا غالب کے چچا نصراللہ بیگ خاں کو جن سے نواب موصوف کي ھمشیر منسوب تھیں ; سرکاري فوج میں بعھدۂ رسالداري ملازم کرا دیا ان کي ذات اور رسالے کي تنخواہ میں دو پرگنے یعني سونک اور سونسا ' جو نواح آگرہ میں واقع ھیں ' سرکار سے انکے نام مقرر ھوگئے - جب تک وہ زندہ رھے دونوں پرگنے ان کے نامزد رھے ' اور انکي وفات کے بعد ان کے وارثوں اور متعلقوں کي پنشنیں سرکار نے فیروزپور جھرکہ کي ریاست سے مقرر کردیں جس میں سے سات سو روپیہ سالانہ میرزا کو آخر اپریل سنہ ۱۸۵۷ ع تک برابر ملتا رھا - مگر فتح دھلي کے بعد تین برس تک قلعے کے تعلقات کے سبب یہ 'پنشن' بند رھي - آخر جب میرزا کي ھر طرح سے بریت ھوگئي تو 'پنشن' پھر جاري ھوگئي ' اور تین برس کي واصلات بھي سرکار نے عنایت کي - جب تک 'پنشن' بند رھي میرزا کے دوستوں کو نہایت تعلق خاطر رھا -

کے دو بیٹے ہوے ایک میرزا اسد اللہ خان؛ دوسرے میرزا یوسف خان جو ایام شباب میں مجنون ہوگئے تھے اور اسی حالت میں سنہ ۱۷۵۷ ع میں انتقال کیا۔

میرزا کے والد عبد اللہ بیگ خاں' جیسا کہ میرزا نے خود ایک خط میں لکھا ہے۔ اول لکھنؤ میں جاکر نواب آصف الدولہ کے ہاں نوکر ہوے' اور چند روز بعد وہاں سے تین سو سوار کي جمعیت سے کئي برس تک ملازم رہے۔ مگر وہ نوکري ایک خانہ جنگي کے بکھیڑے میں جاتي رہي' اور وہ واپس آگرہ میں چلے آئے؛ یہاں آکر انہوں نے الور کا قصد کیا۔ راجہ بختاور سنگھ نے ابھي ان کو کوئي خاطرخواہ نوکري نہیں دي تھي کہ اتفاق سے انہیں دنوں میں ایک گڑھي کے زمیندار راج سے پھرگئے۔ جو فوج اس گڑھي پر سرکوبي کے لئے بھیجي گئي اس کے ساتھ میرزا عبد اللہ بیگ خاں کو بھي بھیجا گیا تھا: وہاں پہونچتے ھي ان کے گولي لگي اور وھیں ان کا انتقال ہوگیا' اور راجگڑہ میں دفن ہوے۔ راجہ بختاور سنگہ رئیس الور نے گاؤں سیر حاصل اور کسي قدر روزینہ میرزا مرحوم کے دونوں لڑکوں کي پرورش کے واسطے مقرر کردیا: جو ایک مدت دراز تک جاري رہا؛

شدند - ازاں جملہ سلطان زادہ ترسیم خان کہ ما از تخمہ اوئیم سمرقند را بہر اقامت گزید - تا در عہد سلطنت عالم بادشاہ نیائے من از سمرقند بہندوستان آمد '

میرزا کے دادا کی زبان بالکل ترکی تھی ' اور ہندوستان کی زبان بہت کم سمجھتے تھے - اس زمانے میں ذوالفقارالدولہ میرزا نجف خان شاہ عالم کے دربار میں دخل کلی رکھتے تھے ; نجف خان نے میرزا کے دادا کو سلطنت کی حیثیت کے موافق ایک عمدہ منصب دلوایا اور پہاسو کا سیر حاصل پرگنۂ ذات اور رسالے کی تنخواہ میں مقرر کردیا ' ان کے کئی بیٹے تھے جن میں سے دو کے نام معلوم ہیں : ایک میرزا کے باپ عبد اللہ بیگ خان عرف میرزا دولہا اور دوسرے نصر اللہ بیگ خان - عبد اللہ بیگ خان کی شادی خواجۂ غلام حسین خان کمیدان کی بیٹی سے ہوئی تھی ; جو کہ سرکار[1] میرٹھ کے ایک معزز فوجی افسر اور عمائد شہر آگرہ میں سے تھے ; میرزا عبد اللہ بیگ خان نے بطور خانہ داماد کے اپنی تمام عمر سسرال میں بسر کی ; اور ان کی اولاد نے بھی وہیں پرورش پائی ; میرزا عبد اللہ بیگ خان

---

(۱) سرکار ملک کے اس حصہ کو کہتے ہیں جو صوبے کی نسبت چھوٹا اور پرگنہ و محال وغیرہ سے بہت بڑا ہوتا ہے -

هاتھہ سے نہ چھوٹي ؛ کیونکہ ترکوں میں قدیم سے یہ قاعدہ
چلا آتا تھا کہ باپ کے متروکہ میں سے بیٹے کو تلوار کے سوا اور کچھہ
نہ ملتا تھا ' اور کل مال اسباب اور گھر بار بیٹي کے حصے میں
آتا تھا - بارے ایک مدت کے بعد اسلام کے عہد میں اسي تلوار
کي بدولت ترکوں کے بخت خفتہ نے پھر کروٹ بدلي ' اور سلجوقي
خاندان میں ایک زبردست سلطنت کي بنیاد قایم هوگئي - کئي
سو برس وہ تمام ایران و توران و شام و روم (یعني ایشیاے کوچک)
پر حکمران رهے - آخر ایک مدت کے بعد سلجوقیوں کي سلطنت
کا خاتمہ هوا ' اور سلجوق کي اولاد جا بجا منتشر و پراگندہ
هوگئي - انهیں میں سے ترسم خان نام ایک امیرزادے نے سمرقند
میں بود و باش اختیار کرلي تھي - میرزا کے دادا جو شاہ عالم کے
زمانے میں سمرقند سے هندوستان میں آے وہ اسي ترسم خان
کي اولاد میں تھے - میرزا مہر نیمروز کے دیباچے میں لکھتے هیں
از واپسیان این قافلہ نیاکے من - کہ در قلمرو ماوراء النہر -
سمرقند شہر مسقط الراس وے بود - چوں سیل کہ از بالا بہ
پستي آید از سمرقند بہند آمد ' اور درفش کاویانی میں اس طرح
لکھا هے بالجملہ سلجوقیان بعد زوال دولت و برهم خوردن
هنگامۂ سلطنت در اقلیم وسیع الفضاے ماوراء النہر پراگندہ

انتخاب از یادگار غالب

مرتبۂ

شمس العلماء مولوي خواجۂ الطاف حسین حالی

تاریخ ولادت خاندان

میرزا اسد اللہ خاں غالب المعروف بہ میرزا نوشہ ' المخاطب بہ نجم الدولہ دبیر الملک اسد اللہ خاں بہادر نظام جنگ المتخلص بہ غالب در فارسي واسد در ریختہ؛ شب ہشتم ماہ رجب سنہ ۱۲۱۲ ھ کو شہر آگرہ میں پیدا ہوئے - میرزا کے خاندان اور اصل و گوہر کا حال ' جیسا کہ انہوں نے اپني تحریروں میں جابجا ظاہر کیا ہے - یہ ہے کہ انکے آبا واجداد ایبک قوم کے ترک تھے ؛ اور ان کا سلسلۂ نسب تور ابن فریدوں تک پہونچتا ہے - جب کیاني تمام ایران و توران پر مسلط ہوگئے ' اور تورانیوں کا جاہ و جلال دنیا سے رخصت ہوگیا ' تو ایک مدت دراز تک تور کي نسل ملک و دولت سے بے نصیب رہي ' مگر تلوار کبھي

فہرست منتخبات اُردو

صفحہ

حصہ نثر

حصہ نظم

انٹرمیڈیٹ

منتخبات اُردو

الطبعة الثانية

مطبع جامعۂ کلکتہ میں طبع ہوا

سنہ ۱۹۴۸ ع